تبلیغی تقاریر

حضرت مولانا سید ابوالحسن صاحب ندویؒ مدظلہ

مرتّب

مفتی محمد روشن شاہ صاحب قاسمی

ادارہ اشاعتِ دینیات (پرائیویٹ) لمیٹڈ
IDARA ISHA'AT-E-DINIYAT (P) LTD.

نام کتاب: تبلیغی تقاریر

Tablighee Taqareer

مرتب: مفتی محمد روشن قاسمی

زیر اہتمام: محمد انس

اشاعت: ۲۰۰۳ء

ISBN: 81-7101-215-9

Published by
IDARA ISHA'AT-E-DINIYAT (P) LTD.
168/2, Jha House, Hazrat Nizamuddin
New Delhi-110 013 (India)
Tel.: 26926832, 26926833, 24355786
Fax: +91-11-26322787 & 24352786
Email: **sales@idara.com**
Visit us at: **www.idara.com**

Typesetted at: **DTP Division**
IDARA ISHA'AT-E-DINIYAT (P) LTD.
P.O. Box 9795, Jamia Nagar, New Delhi-110025 (India)

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ نمبر

صورت و حقیقت

نیا ایمان

نفس پرستی یا خدا پرستی

ضرورت تبلیغ

امت کا وجود غزوۂ بدر کا صدقہ ہے

مکتوب گرامی

عارف باللہ حضرت اقدس مولانا قاری صدیق احمد صاحب باندوی رحمۃ اللہ علیہ
بانی و مہتمم جامعہ عربیہ ہتورہ (یوپی)

مکرمی جناب مفتی محمد روشن صاحب دام کرمکم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حالات کا علم ہوا۔ آپ کی تصنیف کردہ تین کتابیں ۱۔ ملفوظات حصہ اوّل ۲۔ بیانات حصہ اوّل ۳۔ مکاتیب حضرت جی مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ حصہ اوّل موصول ہوئیں۔ بہت پسند آئیں یہ سلسلہ آپ جاری رکھیں بہت سے لوگوں کو فائدہ پہنچے گا۔

اللہ پاک تمام موانع دور فرمائیں میرے لیے دعا کرتے رہیں۔

احقر صدیق احمد
۲۰ / جمادی الثانی ۱۴۱۶ھ

عرض مرتب

نحمده ونصلی علی رسوله الکریم

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ العالی کی ذاتِ گرامی کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ اللہ پاک نے پوری اسلامی دنیا میں جو مقام آپ کو عطا فرمایا ہے اس کی مثال موجودہ زمانہ میں ہمیں اپنے علم کے مطابق نظر نہیں آتی اور زمانہ ماضی میں بھی بہت کم ملتی ہے۔

جہاں آپ نے دین کے مختلف شعبوں میں حیرت انگیز طریقہ پر دینی خدمات انجام دی ہیں وہیں آپ کی یہ خوش قسمتی ہے کہ آپ کو اس دعوت و تبلیغ کے عمومی کام سے تعلق حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ ہی سے ہو گیا تھا جس کی تفصیل اور کارگزاری خود آپ نے اپنی آپ بیتی (جو کاروان زندگی کے نام سے ابھی تک ۵ جلدوں میں چھپی ہے) میں لکھی ہے جو لائقِ مطالعہ ہے۔

اب بھی پیرانہ سالی کی حالت میں حضرت مولانا مدظلہ العالی وقتاً فوقتاً برابر نظام الدین بنگلے والی مسجد دہلی تشریف لاتے ہیں اور اپنے مفید مشوروں اور دعاؤں سے اس کام کی سرپرستی فرماتے ہیں۔

آپ نے جو تقاریر تبلیغی اجتماعات میں مختلف مواقع پر کیں وہ مختلف کتابوں اور رسالوں میں بکھری ہوئی تھیں احقر نے افادہ عام کی غرض سے جتنی تقاریر مل سکیں ان کو کتابی شکل میں "تبلیغی تقاریر" کے نام سے یکجا کردیا اللہ پاک اپنے کرم سے اس کوشش کو قبول فرماکر اپنی مخلوق کے لیے نافع بنائے۔

جن جن احباب نے اس کتاب کو منظر عام پر لانے میں میرا تعاون کیا میں ان کا تہ دل سے شکر گزار ہوں خصوصاً جناب الحاج محمد احمد صاحب زید مجدہم ممرا ممبئی نے اس ناکارہ کی تمام کتابوں کو منظر عام پر لانے کے لئے بے انتہا کوششیں کیں اللہ پاک ان کی کوششوں کو قبول فرماکر دونوں جہاں کی ترقیات سے نوازے۔

جو احباب ان تقاریر سے استفادہ کریں ان سے میری گزارش ہے کہ وہ صاحب تقاریر حضرت مولانا مدظلہ العالی کے لئے دعا فرمائیں کہ اللہ پاک آپ کے سایۂ عاطفت کو بعافیت تمام تادیر قائم رکھے اور مجھ ناکارہ اور میرے معاونین کو اپنے اپنے وقت پر خاتمہ بالخیر کی دولت سے سرفراز فرمائے۔

محمد روشن شاہ قاسمی اکولوی

مہتمم مدرسہ حیات العلوم، سونوری، ضلع اکولہ۔

/ ذیقعدہ ۱۴۱۷ھ ۱۲ / مارچ ۱۹۹۷ء بروز بدھ

تقریر (۱)

صورت و حقیقت

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

"ـــــــ امت میں جو سب سے بڑا انقلاب ہوا وہ یہ کہ اس کی ایک بڑی تعداد اور شاید سب سے بڑی تعداد میں صورت نے حقیقت کی جگہ لے لی۔ یہ آج کی بات نہیں یہ صدیوں کی پرانی حقیقت ہے، صدیوں سے صورت نے حقیقت کی جگہ حاصل کر رکھی ہے عرصے تک دیکھنے والوں کو صورت پر حقیقت کا دھوکا ہوتا رہا اور وہ حقیقت کے ڈر سے اس صورت کے قریب آنے سے بچتے رہے ـــــ

ـــــ قومیں ان کے قریب آنے سے ڈرتی تھیں، حقیقت اسلام کے واقعات ان کے ذہن میں تازہ تھے اور کسی کو مسلمانوں پر حملہ کرنے کی جراءت نہیں ہوتی تھی، لیکن کب تک؟ جب تاتاریوں نے بغداد پر چڑھائی کی، جس پر حملہ کرنے سے وہ برسوں احتیاط کرتے رہے، تو اس صورت کی حقیقت کھل گئی اور مسلمانوں کا بھرم جاتا رہا۔ اس وقت سے صورت اسلام حفاظت کے لئے کافی نہیں ہے۔ اب صرف حقیقت اسلام ہی اس امت کی حفاظت کر سکتی ہے۔"

(اسی تقریر کا ایک اقتباس)

صورت اور حقیقت

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ العالی
۶/ دسمبر ۱۹۴۹ء بمقام لکھنؤ

بھائیو اور بزرگو!

صورت اور حقیقت میں بہت بڑا فرق ہے

ایک چیز کی ایک صورت ہوتی ہے اور ایک حقیقت، ان دونوں میں بہت بڑی مشابہت کے باوجود بہت بڑا فرق بھی ہوتا ہے، آپ روزمرہ کی زندگی میں صورت اور حقیقت اور ان کے فرق سے خوب واقف ہیں. میں اس کی دو مثالیں دیتا ہوں، آپ نے مٹی کے پھل دیکھے ہوں گے جو بالکل اصلی پھل معلوم ہوتے ہیں. لیکن صورت و حقیقت میں زمین آسمان کا فرق ہے، اصل آم کوئی اور چیز ہے اور مٹی کا نقلی آم کوئی اور چیز، مٹی کے آم میں نہ اصلی آم کا ذائقہ ہے، نہ خوشبو نہ رس نہ نرمی نہ اس کی خاصیتیں، صرف آم کی شکل ہے اور اس کا رنگ وروغن اس

لئے اس کو آم کہیں گے، مگر مٹی کا آم، یہ مٹی کا آم دیکھنے بھر کا ہے۔ نہ کھانے کا، نہ سونگھنے کا، نہ ذائقہ نہ خوشبو۔

آپ مردہ عجائب خانے میں گئے ہوں گے۔ آپ نے دیکھا ہو گا کہ وہاں سب درندے اور سب جانور موجود ہیں، شیر بھی ہے اور ہاتھی بھی، تینیدوا بھی اور چیتا بھی مگر بے حقیقت، بھُس بھری ہوئی کھالیں، جن میں نہ کوئی جان ہے نہ طاقت، شیر ہے مگر نہ اس کی آواز ہے نہ غصہ، نہ طاقت ہے نہ ہیبت۔

حقیقت کے مقابلہ میں صورت کی شکست

اب میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ صورت کبھی حقیقت کے قائم مقام نہیں ہو سکتی، صورت سے حقیقت کے خواص کبھی ظاہر نہیں ہو سکتے، صورت کبھی حقیقت کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ صورت کبھی حقیقت کا بوجھ سنبھال نہیں سکتی، جب صورت کسی حقیقت کے مقابلے میں آئے گی، اس کو شکست کھانا پڑے گی۔ جب صورت پر کسی حقیقت کا بوجھ ڈالا جائے گا۔ صورت کی پوری عمارت زمین پر آرہے گی۔

صورت اور حقیقت کا یہ فرق ہر جگہ نمایاں ہو گا۔ ہر جگہ صورت کو حقیقت کے سامنے پسپا ہونا پڑے گا۔ یہاں تک کہ عظیم سے عظیم اور مہیب سے مہیب

صورت اگر حقیر سے حقیر حقیقت کے مقابلہ میں آئے گی تو اس کو مغلوب ہونا پڑے گا۔ اس لئے ہر چھوٹی سے چھوٹی حقیقت ہر بڑی سے بڑی صورت کے مقابلے میں زیادہ طاقت رکھتی ہے، حقیقت ایک طاقت ہے ایک ٹھوس وجود ہے، صورت ایک خیال ہے، دیکھیے ایک چھوٹا سا بچہ اپنے کمزور ہاتھ کے اشارے سے ایک بھُس بھرے مردہ شیر کو دھکا دے سکتا ہے، اس کو زمین پر گرا سکتا ہے، اس لئے کہ بچہ خواہ کتنا ہی کمزور سہی ایک حقیقت رکھتا ہے شیر اس وقت صرف صورت ہے، بچے کی حقیقت شیر کی صورت پر آسانی سے غالب آجاتی ہے۔

نفس کا دھوکا

یہ عالم حقائق کا مجموعہ ہے اللہ تعالیٰ نے ہر چیز میں ایک حقیقت رکھی ہے ماں کی بھی ایک حقیقت ہے اس کی محبت طبعی اور اس کی خواہش فطری ہے اگر حقیقت نہ ہوتی تو اس کے متعلق احکام کیوں ہوتے۔ اس میں کشش کیوں ہوتی؟ اولاد ایک حقیقت ہے اس سے طبعی محبت اور فطری تعلق ہوتا ہے اگر اولاد ایک حقیقت نہ ہوتی تو شریعت میں اس کی پرورش و نگہداشت کے احکام وفضائل کیوں ہوتے؟ اسی طرح طبعی ضروریات اور خواہشات کی بھی ایک حقیقت ہے ان حقیقتوں پر ایک بالاتر، قوی تر حقیقت ہی غالب آسکتی ہے کوئی صورت

نہیں آسکتی ۔ یہ حقائق کتنے باطل آمیز سہی ان پر فتح حاصل کرنے کے لئے اسلام وایمان کی حقیقت درکار ہے اسلام کی صورت کتنی ہی مقدس سہی ان پر فتح حاصل نہیں کرسکتی، اس لئے کہ ادھر حقیقتیں ہیں ادھر صرف صورت، آج ہم یہی دیکھ رہے ہیں کہ صورت اسلام ادنیٰ ادنیٰ حقائق پر غالب نہیں آرہی ہے، اس لئے کہ صورت میں دراصل کچھ بھی طاقت نہیں، ہماری صورت اسلام، صورت کلمہ، صورت نماز ہم سے ادنیٰ ترغیبات چھڑانے سے قاصر ہے، ادنیٰ عادات پر غالب آنے سے عاجز ہے، ہم کو موسم کی ادنیٰ سختی اور حقیر ترین خواہش کا مقابلہ کرنے کی طاقت عطا نہیں کرتی. آپ کا یہ کلمہ جو کبھی گردن کٹوادینے کی طاقت رکھتا تھا جو مال اور اولاد کو اللہ کی راہ میں بے تکلف قربان کرادینے کی قوت رکھتا تھا، جو وطن چھڑادینے اور تختہ دار پر چڑھادینے کی قوت رکھتا تھا، آج وہ ان سردیوں میں صبح کی نماز کے لئے اٹھانے کی طاقت نہیں رکھتا، جو کلمہ زندگی بھر کی منھ لگی شراب کو شریعت کے حکم پر ہمیشہ کے لئے چھڑا سکتا تھا، آج اگر ضرورت پڑجائے تو آپ کی ادنیٰ مرغوب چیز یا معمولی عادت بھی نہیں چھڑا سکتا۔ اس لئے کہ وہ کلمہ کی حقیقت تھی جس کے کارنامے آپ تاریخ اسلام میں پڑھتے ہیں، یہ کلمہ کی صورت ہے جس کی بے اثری آپ دن رات دیکھتے ہیں ۔ ہم غلطی یہ کرتے ہیں کہ صحابہ کرام کی تاریخ کو اپنے اوپر اوڑھنا چاہتے ہیں، اس کو اپنے اوپر منطبق کرنا چاہتے ہیں، جب وہ منطبق

نہیں ہوتی، جب وہ لباس ہمارے اوپر راست نہیں آتا، جب جگہ جگہ جھول پڑجاتے ہیں تو ہم شکایت کرتے ہیں، تعجب کرتے ہیں کہ کلمہ وہ بھی پڑھتے تھے ہم بھی پڑھتے ہیں، نماز وہ بھی پڑھتے تھے ہم بھی پڑھتے ہیں، پھر کیوں اسی طرح کے واقعات ظہور میں نہیں آتے، کیوں اسی طرح کے نتائج و ثمرات برآمد نہیں ہوتے؟ دوستو اور بزرگو! اپنے نفس کو دھوکہ نہ دو، وہاں کلمہ کی حقیقت تھی ایمان کی حقیقت تھی، یہاں کلمہ کی صورت ہے، ایمان کی صورت ہے، نماز کی صورت ہے جس طرح املی کے بیج سے آم کے پھل کی توقع فضول ہے اسی طرح صورت سے حقیقت کے خواص کی امید بے کار ہے اور فریب نفس۔

حقیقت اسلام

حضرت خبیبؓ کا واقعہ آپ نے سنا ہے پھانسی کے تختہ پر ان کو چڑھایا گیا، چاروں طرف سے نیزوں کی نوکوں نے ان کو کوچنا شروع کیا، برچھیوں نے ان کے جسم کو چھلنی کر دیا، وہ صبر و استقامت کے ساتھ مقابلہ کرتے رہے، عین اس حالت میں ان سے کہا جاتا ہے کہ کیا تم اس پر راضی ہو کہ تمہاری جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوں؟ وہ تڑپ کر جواب دیتے ہیں کہ میں تو اس پر بھی راضی نہیں کہ مجھے چھوڑ دیا جائے اور حضور کے تلوے میں کوئی کانٹا بھی چبھے، حضرات! کیا یہ صورت

اسلام تھی جس نے ان کو تختۂ دار پر ثابت قدم رکھااور ان کی زبان سے یہ الفاظ کہلوائے ؟ نہیں، وہ اسلام کی حقیقت تھی جوان کے ہر زخم پر مرہم رکھتی تھی، جو ہر نیزے کی چبھن پر ان کے سامنے جنّت کا نقشہ لاتی تھی اور انہیں دکھاتی تھی کہ یہ تمہاری اس تکلیف کا صلہ ہے بس چند لمحوں کا معاملہ ہے یہ جنت تمہاری منتظر ہے یہ خداکی رحمت تمہاری منتظر ہے،اگر تم نے اس فانی جسم کی اس فانی تکلیف کو گوارا کرلیاتو غیرفانی زندگی کی غیر فانی راحت تمہاراحصہ ہے، یہ عشق و محبت کی حقیقت تھی،جب ان سے کہا گیاکہ کیاتم کو یہ منظور ہے کہ تمہاری جگہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوں ؟تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت حقیقت بن کر ان کے سامنے آگئی اور ان کو گوارا نہیں ہواکہ اس جسم اقدس کو ایک کانٹے کی بھی تکلیف ہو۔

یہ چند پاک اور بلند حقائق تھے جو دردو تکلیف کی حقیقت پر غالب آئے صورت اسلام میں اس حقیقی دردو تکلیف کامقابلہ کرنے کی طاقت نہ پہلے تھی نہ اب ہے ،صورت اسلام تو تکلیف کے تصوّرات اور خیالات کا بھی مقابلہ نہیں کرسکتی۔ ہم کو اور آپ کو معلوم ہے کہ گزشتہ فسادات کے موقع پر خیالی خطرات کی بناپر لوگوں نے صورت اسلام بدل دی۔ مسلمانوں نے سروں پر چوٹیاں رکھیں اور غیر اسلامی شعار اختیار کئے ،اس لئے کہ ان غریبوں کے پاس صرف صورت اسلام تھی

جو اس میدان میں ٹھہر نہیں سکتی تھی۔

آپ نے سنا ہے کہ حضرت صہیب رومیؓ ہجرت کر کے جانے لگے تو کفار مکہ نے ان کو راستے میں روکا اور کہا کہ صہیبؓ تم جاسکتے ہو مگر یہ مال نہیں لے جاسکتے جو تم نے ہمارے شہر میں پیدا کیا ہے، اب حقیقت اسلام کا حقیقتِ مال سے مقابلہ تھا۔ حقیقت اسلام اپنی مقابل حقیقت پر غالب آئی، صورت اسلام ہوتی تو وہ حقیقتِ مال کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی

آپ نے سنا ہے کہ حضرت ابوسلمہؓ جب ہجرت کر کے جانے لگے تو کفار ان کا راستہ روک کر کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے کہا کہ تم جاسکتے ہو مگر ہماری لڑکی ام سلمہ کو نہیں لے جاسکتے، اب حقیقتِ اسلام کا ایک حقیقت سے مقابلہ تھا وہ حقیقت کیا تھی؟ بیوی کی محبت، جو ایک حقیقت تھی، لیکن اسلام کی حقیقت مومن کے دل میں ہر حقیقت سے زیادہ طاقتور اور گہری ہوتی ہے، انہوں نے بیوی کو اللہ کے حوالے کیا اور تن تنہا چل دیئے۔ کیا صورتِ اسلام میں اتنی طاقت ہے کہ آدمی بیوی کو چھوڑ دے؟ ہم نے تو دیکھا ہے کہ لوگوں نے بیوی اور بچوں کے لئے کفر تک اختیار کر لیا اور صورت اسلام کی ذرا پروا نہیں کی ہے۔

آپ نے سنا ہے کہ حضرت ابوطلحہؓ نماز پڑھ رہے تھے کہ ان کے باغ میں ایک چھوٹی سی چڑیا آگئی اور اس کو پھر جانے کا راستہ نہ ملا، حضرت ابوطلحہؓ کی توجہ

بٹ گئی، نماز کے بعد انہوں نے پورا باغ صدقہ کردیا۔ اس لئے کہ حقیقتِ نماز اس شرکت کو گوارا نہیں کرسکتی تھی، باغ کی بھی ایک حقیقت ہے اس کی سرسبزی، اس کی فصل، اس کی قیمت ایک حقیقت ہے، اس حقیقت کا مقابلہ صورتِ نماز نہیں کرسکتی تھی، اس کا مقابلہ کرنے کی طاقت حقیقت صلوٰۃ ہی میں ہے، آج ہماری آپ کی نماز ادنیٰ ادنیٰ حقیقتوں کا مقابلہ اس لئے نہیں کرسکتی کہ وہ حقیقت سے خالی اور ایک صورت ہے۔

آپ نے سنا ہو گا کہ یرموک کے میدان میں چند ہزار مسلمان تھے، اور کئی لاکھ رومی، ایک عیسائی (جو مسلمانوں کے جھنڈے کے نیچے لڑرہا تھا) کی زبان سے بے اختیار نکلا کہ رومیوں کی تعداد کا کچھ ٹھکانا ہے؟ حضرت خالدؓ نے کہا خاموش! خدا کی قسم اگر میرے گھوڑے اشقر کے سُم درست ہوتے تو میں رومیوں کو پیغام بھیجتا کہ اتنی ہی تعداد اور میدان میں لے آئیں۔

حضرات! حضرت خالدؓ کو یہ اطمینان واعتماد کیوں تھا اور وہ رومیوں کی تعداد کو بے حقیقت کیوں سمجھتے تھے؟ اس لئے کہ وہ حقیقتِ اسلام رکھتے تھے اور سمجھتے تھے کہ اس کے مقابل صرف رومیوں کی صورتیں ہیں، جو ہر طرح کی حقیقت سے خالی ہیں، یہ لاکھوں صورتیں اسلام کی حقیقت کے سامنے ٹھہر نہیں سکتیں۔ ہم یقیناً کلمہ پڑھتے ہیں، ہم میں سے بہت سے لوگ کلمہ کے معنی سے بھی واقف ہیں، لیکن

حقیقت کلمہ کوئی اور چیز ہے، وہ ان الفاظ اور معنی سے بہت بلند ہے، کلمہ کی یہ حقیقت صحابۂ کرام کو حاصل تھی، جب وہ کہتے تھے لا الہ الا اللہ تو واقعتاً سمجھتے تھے کہ اللہ کے سوا کوئی حاکم و بادشاہ نہیں، اللہ کے سوا کوئی محبت و خوف کے لائق نہیں، اللہ کے سوا کوئی امید توقع کے قابل نہیں، اللہ کے سوا کسی کی ہستی کوئی ہستی نہیں، کیا یہ سب حقیقتیں ہم سب کے دل میں اتری ہوئی ہیں، ہمارے دماغ کے اندر بسی ہوئی ہیں، ہماری زندگی کے اندر جڑ پکڑے ہوئی ہیں؟ اگر ہم ان حقیقتوں سے واقف بھی ہوتے تو لا الہ الا اللہ کہتے ہوئے ہمیں احساس ہوتا کہ ہم کتنی بڑی بات کہہ رہے ہیں، جس کو اس حقیقت کا ذرا بھی احساس ہے اسلام کا دعویٰ کرتے ہوئے سمجھتا ہے کہ وہ کتنا بڑا دعویٰ کر رہا ہے۔

چو می گویم مسلمانم بلرزم

کہ دانم مشکلات لاالٰہ را

ہم سب جانتے ہیں کہ آخرت برحق ہے۔ جنت و دوزخ برحق ہیں، مرنے کے بعد یقیناً زندہ ہونا ہے، لیکن کیا سب کو ایمان کی وہ حقیقت حاصل ہے جو صحابہ کو حاصل تھی؟ اس حقیقت کا نتیجہ یہ تھا کہ صحابی کھجور کھاتے کھاتے پھینک دیتا ہے اور کہتا ہے کہ ان کے ختم ہونے کا انتظار کرنا میرے لئے بہت مشکل ہے اور فوراً بڑھ کر شہادت حاصل کرتا ہے، اس لئے کہ جنت اس کے لئے ایک حقیقت

تھی اور وہ حقیقت اس کے سامنے تھی۔ اس کی حقیقت جس کو حاصل تھی وہ قسم کھا کر کہتا تھا کہ مجھے اُحد پہاڑ کے اس طرف سے جنت کی خوشبو آرہی ہے۔ یرموک کے میدان میں ایک صحابی ابو عبیدہؓ کے پاس آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ امیر! میں سفر کے لئے تیار ہوں کوئی پیغام تو نہیں کہنا ہے؟ وہ کہتے ہیں، ہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہمارا اسلام عرض کرنا اور کہنا کہ آپ نے ہم سے جو وعدے فرمائے تھے وہ سب پورے ہورہے ہیں، یہ ہے یقین کی حقیقت، اس حقیقت پر کونسی قوت غالب آسکتی ہے، اور ایسی حقیقت رکھنے والی جماعت پر کونسی جماعت غالب آسکتی ہے؟

صورت اسلام حفاظت کرنے کے لئے کافی نہیں

امت میں جو سب سے بڑا انقلاب ہوا وہ یہ کہ اس کی ایک بڑی تعداد اور شاید سب سے بڑی تعداد میں صورت نے حقیقت کی جگہ لے لی۔ یہ آج کی بات نہیں، یہ صدیوں کی پرانی حقیقت ہے، صدیوں سے صورت نے حقیقت کی جگہ حاصل کر رکھی ہے عرصہ تک دیکھنے والوں کو صورت پر حقیقت کا دھوکا ہوتا رہا اور وہ حقیقت کے ڈر سے اس صورت کے قریب آنے سے بچتے رہے لیکن جب کسی نے ہمت کرکے اس صورت کو چھوا تو معلوم ہوا کہ اندر سے پول ہے اور حقیقت

غائب ہوچکی ہے۔

آپ نے دیکھا ہوگا کبھی کبھی کاشتکار کھیت میں ایک لکڑی گاڑ کر اس پر کوئی کپڑا ڈال دیتا ہے جس کو دیکھ کر پرندوں اور جانوروں کو شبہ ہوتا ہے کہ کوئی آدمی رکھوالی کررہا ہے لیکن اگر کبھی کوئی سیانا کوّا یا ہوشیار جانور ہمت کرکے کھیت میں جاپڑے تو ظاہر ہے کہ وہ بے جان شبیہ کچھ نہیں کرسکتی، پھر نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جانور اس کھیت کو روند ڈالتے ہیں اور پرندے اس کا ستیاناس کردیتے ہیں۔

مسلمانوں کے ساتھ یہی واقعہ پیش آیا، ان کی صورت حقیقت بن کر برسوں ان کی حفاظت کرتی رہی۔ قومیں ان کے قریب آنے سے ڈرتی تھیں، حقیقتِ اسلام کے واقعات ان کے ذہن میں تازہ تھے اور کسی کو مسلمانوں پر حملہ کرنے کی جراءت نہیں ہوتی تھی، لیکن کب تک؟ جب تاتاریوں نے بغداد پر چڑھائی کی، جس پر حملہ کرنے سے وہ برسوں احتیاط کرتے رہے، تو اس صورت کی حقیقت کھل گئی اور مسلمانوں کا بھرم جاتا رہا۔ اس وقت سے صورت اسلام حفاظت کرنے کے لئے کافی نہیں ہے، اب صرف حقیقتِ اسلام ہی اس امت کی حفاظت کرسکتی ہے۔

حقیقت کی شکست کے واقعات نہیں، یہ سب صورت کی شکست و ہزیمت کے واقعات ہیں، صورت نے ہم کو ہر معرکہ میں رسوا و ذلیل کیا ہے لیکن خطا ہماری تھی ہم نے غریب صورت پر حقیقت کا بوجھ رکھنا چاہا وہ اس بوجھ کو سہار نہ سکی خود بھی گری اور عمارت کو بھی زمین پر لے آئی۔

حقیقتِ اسلام مدّتوں سے میدان میں آئی ہی نہیں

عرصۂ دراز سے صورت اسلام معرکہ آزما ہے اور شکست پر شکست کھا رہی ہے اور حقیقتِ اسلام مفت میں بدنام اور دنیا کی نگاہوں میں ذلیل ہو رہی ہے، دنیا سمجھ رہی ہے کہ ہم اسلام کو شکست دے رہے ہیں، اس کو خبر نہیں کہ حقیقتِ اسلام تو مدّت سے میدان میں آئی ہی نہیں، اس کے مقابلہ میں مسلمانوں کی صرف صورت ہے نہ کہ اسلام کی حقیقت۔

یورپ کی قوموں کے مقابلہ میں ترکی میدان میں آیا، لیکن اسلام کی ایک نڈھال صورت لے کر، یہ نحیف و نزار صورت مقابلہ میں ٹھہر نہ سکی فلسطین میں تمام عرب قومیں اور سلطنتیں مل کر یہودیوں کے مقابلے میں آئیں لیکن حقیقتِ اسلام، شوق شہادت، جذبۂ جہاد اور ایمانی کیفیات سے اکثر عاری، عربی قومیت کے نشہ میں سرشار، صرف اسلام کے نام و نسبت سے آراستہ، نتیجہ یہ ہوا کہ اس بے

روح صورت نے یہودیوں کی جنگی قوت و تنظیم و اسلحہ کی حقیقت سے مات کھائی، اس لئے کہ صورت حقیقت کا مقابلہ نہیں کر سکتی، یہودی ایک حقیقت رکھتے تھے، اگرچہ سرتاپا مادی، عرب صرف ایک صورت رکھتے تھے، اگرچہ مقدس، لیکن صورت صورت ہے اور حقیقت حقیقت ہے۔

رحمت و نصرت کے وعدے حقیقت سے متعلق ہیں

اسلام کی صورت اللہ کے یہاں ایک درجہ رکھتی ہے اس لئے کہ اس میں مدتوں اسلام کی حقیقت بسی ہوئی رہی ہے اور یہ اسلام کی حقیقت کا قالب ہے، اسلام کی صورت بھی اللہ کو پیاری ہے اس لئے کہ اس کے محبوبوں کی پسندیدہ صورت ہے، اسلام کی صورت بھی اللہ کی ایک بڑی نعمت ہے اس لئے کہ اس صورت سے حقیقتِ اسلام کی طرف منتقل ہونا نسبتاً آسان ہے، جہاں صورت بھی نہیں وہاں حقیقت پر پہنچنا بہت مشکل ہے، لیکن دوستو! اللہ تعالیٰ کی رحمت و نصرت کے وعدے دنیا میں اور مغفرت و نجات اور ترقیِ درجات کے وعدے آخرت میں سب حقیقت سے متعلق ہیں نہ کہ صورت سے، حدیث میں ہے

ان اللہ لا ینظر الیٰ صورکم واموالکم ولکن ینظر الیٰ قلوبکم واعمالکم (الحدیث)

اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور مالوں کو نہیں دیکھتا ہے وہ تمہارے دلوں اور اعمال کو دیکھتا ہے، جو لوگ صرف صورت کے حامل تھے اور حقیقت سے یکسر خالی تھے ان کو وہ ان لکڑیوں سے تشبیہ دیتا ہے جو کسی سہارے رکھی ہوئی ہیں، وہ فرماتا ہے:۔

واذا رایتھم تعجبک اجسامھم ط وان یقولوا تسمع لقولھم
کانھم خشب مسندۃ ط یحسبون کل صیحۃ علیھم.

(پارہ ۲۸، منافقون آیت نمبر ۴)

اگر تم ان کو دیکھو تو تم کو ان کے جسم بڑے بھلے معلوم ہوں گے وہ بات کریں گے تو تم کان لگا کر سنو گے لیکن واقعہ یہ ہے کہ وہ لکڑیاں ہیں، جو سہارے سے رکھی ہوئی ہیں، ہر آواز کو وہ اپنے خلاف ہی سمجھتے ہیں۔

دین کے اقتدار اور امن و اطمینان کا وعدہ

دنیا میں بھی فتح و نصرت و تائید و اعانت کے وعدے حقیقت ایمان ہی کے ساتھ مشروط ہیں، صاف فرماتا ہے:۔

ولاتھنوا ولاتحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مومنین ط

(پارہ ۴، آلِ عمران ۔۔۔۔ ۱۳۹)

سست و غمگین نہ ہو، تم ہی سر بلند ہو اگر تم (حقیقۃً) صاحب ایمان ہو۔
ظاہر ہے کہ اس آیت میں خطاب مسلمانوں ہی کو ہے لیکن پھر بھی شرط لگائی ہے کہ اگر تم میں حقیقت ایمان پائی جاتی ہے تو پھر تمہاری سر بلندی میں شک نہیں دوسری آیت میں بھی صفت ایمان ہی پر اپنی مدد کا وعدہ فرمایا۔

أَنَا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ط (پارہ ۲۴، سورہ مومن ۔۔۔۔۔ ۱۵)

ہم ضرور ضرور اپنے پیغمبروں کی مدد کریں گے اور ان لوگوں کی جو صفت ایمان سے متصف ہیں دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی جب اللہ کے گواہ کھڑے ہوں گے۔

اسی حقیقت ایمانی پر خلافت ارضی، دین کے اقتدار اور امن واطمینان کا وعدہ فرمایا ہے۔

وعداللہ الذین امنوا منکم وعملو الصلحت لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضی لھم ولیبدلنھم من بعد خوفھم امناً ط (پارہ ۱۸، النور ۔۔ ۵۵)

ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان رکھتے ہیں اور جن کے عمل صالح ہیں اللہ کا وعدہ ہے کہ ان کو زمین کی خلافت سے سرفراز

کرے گا جیسے ان لوگوں کو سرفراز کیا جو ان سے پہلے تھے اور ان
کے دین کو جو اللہ کا پسندیدہ ہے اقتدار عطا فرمائے گا اور ان کے
خوف کو امن سے بدل دے گا۔

لیکن باوجود اس کے کہ یہ سارے وعدے ایمان و عمل صالح کی بنیاد پر تھے پھر یہ شرط فرمائی کہ یہ ضروری ہے کہ ان میں اسلام کی حقیقت (توحید کامل) پائی جائے۔

یعبدوننی لا یشرکون بی شیأ۔ (پارہ ۱۸، النور۔۔ ۵۵)
(اس شرط سے) کہ میری عبادت کریں گے، میرے
ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گے۔

امّت کی سب سے بڑی خدمت

پس اس وقت سب سے بڑا کام اور امت کی سب سے بڑی خدمت یہ ہے کہ اس کے عموم اور سوادِ اعظم کو صورت سے حقیقت کی طرف سفر کرنے کی دعوت دی جائے، صورت اسلام میں روح اسلام اور حقیقت اسلام پیدا کرنے کی کوشش کی جائے، اس وقت امت کی سب سے بڑی احتیاج یہی ہے اسی سے اس کے سب حالات اور اس کے نتیجہ میں دنیا کے حالات بدلیں گے، دنیا کے حالات اس امت

کے حالات کے اور اس امّت کے حالات اس حقیقت کے تابع ہیں، یہ امّت حضرت مسیح (علیہ السلام) کے الفاظ میں زمین کا نمک ہے، دیگ کا مزا نمک کے تابع ہے اور نمک کا مزا اس کی نمکینی پر موقوف ہے، اگر نمک کی نمکینی ختم ہوجائے تو وہ نمک کس کام کا؟ اور پھر کھانے کو خوش ذائقہ بنانے والی چیز کہاں سے آئے گی؟ آج ساری زندگی بے کیف اور بے روح ہے اس لئے کہ اس امت کی بڑی تعداد حقیقت سے عاری اور روح سے خالی ہے، پھر زندگی میں روح اور حقیقت کہاں آئے گی؟

دوسری قوموں کی زندگی کی جڑیں خشک ہوچکی ہیں

دنیا کی اور قومیں بھی ہیں جو ہزاروں برس سے اپنے مذہب کی حقیقت اور روح سے خالی ہوچکی ہیں اور ان میں صرف چند بے روح رسمیں اور چند بے حقیقت صورتیں رہ گئی ہیں، لیکن ان قوموں کی دینی وروحانی زندگی ختم ہوچکی ہے، ان کی زندگی کے سوتے خشک ہوچکے ہیں آج دنیا کی کوئی طاقت، کوئی شخصیت، کوئی اصلاح ان میں دینی زندگی اور حقیقی روح پیدا نہیں کرسکتی، ایک نئی قوم کا بن جانا ان قوموں کی دوبارہ زندگی سے آسان ہے، جن لوگوں نے ان قوموں میں ازسرِ نو دینی زندگی اور اخلاقی روح پیدا کرنے کی انتہائی جدو جہد کی، وہ زمانہ حال کے وسائل

اور سہولتوں کے باوجود سخت ناکام رہے، اس لئے کہ درحقیقت ان میں ایمان ویقین اور دینی روح پیدا کرنے کا سرچشمہ عرصہ ہوا خشک ہوچکا ہے، زندگی کا سرا اور سررشتہ کٹ چکا ہے جب کسی درخت کی جڑ خشک ہوچکی ہو اور اس کی رگیں زمین چھوڑ چکی ہوں تو اس کی پتیوں کو پانی دینے سے کچھ نہیں ہوتا۔

مسلمان حقیقت کی طرف ترقی و رجوع کریں

لیکن اس امت کی زندگی کا سرچشمہ موجود ہے اس امت کی زندگی کا سرا موجود ہے اور یہ امت اس سے وابستہ ہے۔ وہ ہے اللہ اور اس کے رسول پر ایمان، آخرت اور حساب کتاب کا یقین۔ لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا اقرار، اس امت کا اس گئی گزری حالت میں بھی اللہ اور اس کے رسول سے جو تعلق ہے وہ دوسری قوموں کے خواص کو بھی نصیب نہیں" اس انحطاط کے زمانہ میں بھی جتنی حقیقت اس میں پائی جاتی ہے وہ دوسری قوموں میں مفقود ہے، اس کی کتاب آسمانی (قرآن مجید) محفوظ ہے اور اس کے ہاتھوں میں ہے، اس کے پیغمبر کی سیرت اور زندگی جو آج بھی ہزاروں لاکھوں دلوں کو گرما دینے اور زمانہ کے خلاف لڑا دینے کی طاقت رکھتی ہے مکمل طریقہ پر موجود ہے اور آنکھوں کے سامنے ہے۔ صحابہ کرام کی زندگی اور ان کی زندگی کا انقلاب اور ان کی کوششوں سے دنیا کا انقلاب نظر کے

سامنے موجود ہے یہ سب زندگی کے سرچشمے ہیں، یہ سب حرارت اور روشنی کے مرکز ہیں۔ صرف اس کی ضرورت ہے کہ اس امت میں صورت سے حقیقت کی طرف ترقی کی ضرورت کا عام احساس پیدا ہو، زندگی کے ان مرکزوں سے تعلق پیدا ہو اور مادی و معاشی انہماک سے اس کو ان مرکزوں سے اکتساب فیض کی فرصت ملے اور وہ اپنی اصلی زندگی کے چند دن گزار کر اپنی زندگی میں انقلاب اور اپنی پوری زندگی میں ایمان واحتساب اور اللہ کے وعدوں پر یقین اور اس کی رضا کے شوق میں کام کی روح پیدا کرے۔

ہماری دعوت صرف یہ ہے کہ:

یاایھاالذین امنو آامنو ا (پارہ ۵، النساء۔۔۔۔۱۳۶)

" اے مسلمانو! صورت اسلام سے حقیقت ایمان کی طرف ترقی کرو۔"

ہمارے مستقل ہفتہ وار اجتماعات جن کی ہم شہر شہر اور قصبہ قصبہ دعوت دیتے ہیں، اسی لئے ہیں کہ ہر آبادی میں ایسے مرکز قائم ہوں جہاں مسلمان جمع ہو کر اپنی زندگی کا بھولا ہوا سبق یاد کریں، جہاں سے انھیں حقیقت اسلام کا پیغام ملے، جہاں سے ان کو اپنی کھوئی ہوئی زندگی کا سراغ لگے، جہاں سیرت نبویؐ اور اصلی اسلامی زندگی کے واقعات اور دین کی بنیادی واصولی دعوت کے ذریعہ ان میں دینی

جذبات واحساسات بیدار ہوں اوران میں دینی انقلاب کی خواہش پیدا ہو ۔اگر یہ مرکز اور اس طرح کے اجتماعات نہ ہوئے تو بڑے پیمانے پر اور طاقتور اور موثر طریقہ پرامت کی اکثریت میں "حقیقتِ اسلام " اور " روحِ اسلام" پیدا ہونے کی کیا توقع ہے؟

پھر ہم مسلمانوں کو اس کی دعوت دیتے ہیں کہ وہ کچھ دن حقیقت اسلام کو حاصل کرنے اور اس کو اپنے میں راسخ کرنے کے لئے اپنے اوقات فارغ کریں اور اس ماحول سے نکل کر جس میں حقیقتِ اسلام پنپنے اور ایمانی کیفیات ابھرنے نہیں پاتی ، ایک ایسے ماحول میں وقت گزاریں جہاں اصلی زندگی کی جھلک موجود ہو، جہاں علم وذکر، دعوت و تبلیغ، خدمت وایثار، تواضع و خلق ، محنت وجفاکشی کی زندگی ہو، ہم اس وقت مسلمانوں کو اس مقصد کے لئے جماعتوں کی شکل میں نکلنے کی دعوت دیتے ہیں ۔ اگر مسلمانوں کی بڑی تعداد اس کو جزء زندگی بنالے اوراس کا رواج پڑجائے تو ہم کو اللہ کی ذات سے امیّد ہے کہ کروڑوں مسلمانوں تک حقیقت اسلام کا یہ پیغام پہنچ جائے گا۔ اورلاکھوں مسلمانوں کی زندگی میں دینی روح ، ایمان واسلام کی حقیقت اور اس کی صفات وکیفیات پیدا ہوجائیں گی۔

حقیقت اسلام دوبارہ پیدا ہو سکتی ہے

حضرات! ہم اس سے بالکل مایوس نہیں ہیں کہ اس زمانہ میں حقیقتِ اسلام پیدا نہیں ہو سکتی، ہم کسی ایسے زمانہ اور انقلاب کے قائل نہیں جس میں حقیقت اسلام دوبارہ پیدا نہیں کی جا سکتی، آپ پیچھے مڑ کر دیکھیے، تاریخ کے سمندر میں آپ کو حقیقت اسلام کے جزیرے بکھرے ہوئے نظر آئیں گے، بارہا حقیقت اسلام ابھری اور ایمانی کیفیات پیدا ہوئیں۔ وہی اللہ اور رسول پر یقین واعتماد، وہی شہادت کا ذوق، جنت کا شوق، وہی دنیا پر آخرت کی ترجیح، جب کبھی اور جہاں کہیں حقیقتِ اسلام پیدا ہو گئی اس نے ظاہری قرائن و قیاسات کے خلاف حالات پر اور مخالف طاقتوں پر فتح پائی ہے۔ تمام گزرے ہوئے واقعات کو دہرا دیا ہے اور قرن اول کی یاد تازہ کر دی ہے۔

حقیقتِ اسلام میں آج بھی طاقت ہے

حقیقتِ اسلام اور حقیقتِ ایمان میں آج بھی وہی طاقت ہے جو ابتدائے اسلام میں تھی، آج بھی اس سے وہ تمام واقعات ظاہر ہو سکتے ہیں جو اس سے پہلے ظاہر ہوئے ہیں۔ آج بھی اس کے سامنے دریا پایاب ہو سکتے ہیں سمندر میں

گھوڑے ڈالے جاسکتے ہیں، درندے جنگل چھوڑ کر جاسکتے ہیں بھڑکتی ہوئی آگ گلزار بن سکتی ہے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ حقیقت ابراہیمی موجود ہو ؂

آج بھی ہو جو ابراہیم کا ایماں پیدا
آگ کرسکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا

(ماخوذ از اصلاحیات صفحہ ۱۴۲ تا صفحہ ۱۵۸)



تقریر (۲)

نیا ایمان

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

" —— صحابہ کرامؓ کو دین کی حقیقتوں پر ایسا یقین تھا کہ ہمیں محسوسات و مشاہدات پر بھی ویسا یقین نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کا ایمان نیا اور تازہ تھا، اور ہر نئی اور تازہ چیز میں ایک قوت اور شادابی ہوتی ہے۔

—— ہمارے ان اجتماعات کی دعوت اور ہماری حقیر کوششوں کا مقصد یہی ہے کہ ہم میں از سر نو حقیقی ایمان اور ابتداء اسلام کے نو مسلموں کا سا جوش اور ذوق پیدا ہو! حالات کے بدلنے میں صرف اتنی ہی بات کی دیر ہے۔"

(اسی تقریر سے مقتبس)

نیا ایمان

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ العالی

۲۶ / نومبر ۱۹۵۱ء بمقام لکھنؤ

بعد خطبۂ مسنونہ

بھائیو اور بزرگو! آپ حضرات کو اس تعداد میں دیکھ کر بڑی مسرت ہوتی ہے، اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کا جی چاہتا ہے، کہ دین کی آواز پر اپنے کاموں کو چھوڑکر آپ یہاں تشریف لائے، اور سب سے بڑا احساس یہ ہوتا ہے کہ ایمانی دعوت میں اب بھی یہ طاقت ہے کہ دوردراز کے بھائیوں کو ایک جگہ جمع کرسکتی ہے، جی چاہتا ہے کہ ایمان کی قوت اس سے زیادہ بڑھے اور ہمارے اندر از سرِ نو ایمانی زندگی پیدا ہو۔

دین اور ایمان میں فرق

دوستو! ایک چیز ہے دین، اور ایک ہے ایمان، ان دونوں میں ایک فرق

ہے دین تو وہ نظام ہے جس کو لے کر تمام انبیاء آتے رہے، اور جس کا آخری پیغام رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) لے کر تشریف لائے، اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذریعہ اس دین کو مکمل فرمایا:۔

اَلیَوم اَکمَلْت لَکُم دِینَکُم وَ اَتمَمت عَلَیکُم نِعمَتِی وَ رَضِیت لَکُم الاِسلاَم دِینا۔" (پارہ ۶، مائدہ۔۔۔)

دین تو یقیناً مکمل ہوچکا، اب اس میں جو کوئی ترمیم اور اضافہ کرنا چاہے وہ دجال، کاذب اور مفتری ہے لیکن دوسری چیز ہے اس دین پر یقین کرنا، اور اسی دین کی حقیقتوں پر ایمان لانا، دین پر تو بے شک مہر لگ چکی ہے، اس میں کسی اضافہ کی دعوت نہیں دی جاسکتی، اس میں سے جس طرح کچھ گھٹایا نہیں جاسکتا، بڑھایا بھی نہیں جاسکتا لیکن ایمان کا معاملہ یہ نہیں ہے، اس میں زیادہ سے زیادہ ترقی کی گنجائش ہے، اس لیے ایمان میں تازگی اور زیادتی کی دعوت قیامت تک جاری رہے گی، بلکہ ضروری ہے کہ دین پر اپنے ایمان ویقین کو مضبوط کرنے، اس کو اپنی زندگی بنانے، اور ہر چیز کو اس پر قربان کرنے اور اس کو کسی چیز کے عوض ہاتھ سے نہ دینے کی کوشش برابر جاری رہے۔ اس امت کی ہر نسل، ہر حصے، اور ہر دور کو اس دین پر نیا ایمان لانا اور از سرِ نو دین کو سمجھنا ضروری ہے۔

مشاہدے اور تجربے سے زیادہ نبی کی خبر پر یقین

دوستو! اور بزرگو! آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بعثت کے وقت بھی دین کے بعض حصے موجود تھے، نماز وحج وغیرہ کسی نہ کسی جگہ اور کسی نہ کسی حالت میں پائے جاتے تھے، دین کا وجود بالکل ختم نہیں ہوچکا تھا، قدیم مذاہب و ادیان کی بہت سی شکلیں اور صورتیں موجود تھیں، لیکن جو چیز کھوئی گئی تھی وہ یہ تھی کہ دین میں کوئی طاقت باقی نہیں رہی تھی۔ ان لوگوں کا ان حقیقتوں پر تو ایمان ویقین تھا کہ سانپ کا زہر قاتل ہے، ہوا زندگی کے لئے ضروری ہے، کھانے سے پیٹ بھرتا ہے، اسی طرح زندگی کے اور بہت سے تجرباتی حقائق پر وہ دل سے یقین رکھتے لیکن اس پر ایمان نہیں تھا کہ دوزخ کی آگ کیسی خطرناک ہے، اور جنت کا آرام اور اس کی راحتیں کیسی قابل رشک ہیں۔ ان کا ایمان نہیں تھا کہ اللہ کو ناراض کرکے وہ دنیا کی فلاح نہیں پاسکتے۔ دراں حالیکہ ان کا نوکر ان کی نافرمانی کرکے ان کے گھر میں نہیں رہ سکتا تھا، اُن کا ایمان نہیں تھا کہ گناہ وظلم سے بستیاں اور ملک تباہ ہوسکتے ہیں، وہ جتنا ایک طبیب کی باتوں پر اعتماد رکھتے تھے رسول کی باتوں پر انھیں اتنا بھی اعتماد نہیں تھا، اس کا سبب یہ تھا کہ ان کا تعلق دین اور دوسری زندگی سے مردہ ہوچکا تھا، اور انھیں اس سے کوئی دلچسپی باقی نہ رہی تھی، صرف دنیا

کی زندگی اور اس کی دیکھی بھالی اور آزمائی ہوئی حقیقتیں ان پر چھائی ہوئی تھیں۔

دوستو! کچھ ایسا ہی حال اب ہمارا ہوگیا ہے، اگر اسی وقت کوئی آکر یہاں کہدے کہ عجائب گھر سے شیر چھوٹ گیا ہے تو آپ دیکھیں گے کہ یہ پورا مجمع اسی خبر کی طرف متوجہ ہوجائے گا، اور سب کو اپنی اپنی فکر پیدا ہوجائے گی اجتماع کا سارا سکون انتشار سے بدل جائے گا، کیونکہ ہماری زندگی ہمارے اوپر حاوی ہے جب کوئی خطرہ زندگی کو چیلنج کرتا ہے تو ہماری قوتیں بیدار ہوجاتی ہیں اور زندگی کے لئے محافظ بن جاتی ہیں لیکن اگر کوئی شخص، اس زندگی کے خطرات سے آپ کو آگاہ کرے جو ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی ہے، اور جس میں تکلیف ہے تو دوامی اور غیر فانی اور آرام ہے تو دوامی اور غیر فانی، تو ہم نہایت بے توجہی اور بے فکری سے سن لیں گے، اس کا سبب بے دینی نہیں ہے، بلکہ دین پر ایمان کی کمی اور کمزوری، اور ایک طرح کی بے یقینی ہے، اور ظاہر ہے کہ ایمان کی اس درجہ کمزوری کے ساتھ ایک ایسی زندگی سے کیسے دلچسپی ہوسکتی ہے اور کیسے اس کے خطرات سے فکر پیدا ہوسکتی ہے جو بالکل آڑ اور اوٹ میں ہے۔

کوہ صفا پر آغاز دعوت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اللہ تعالیٰ نے اپنا رسول بنایا، اس

زمانہ میں عرب میں ایک دستور یہ تھا کہ اگر کوئی قبیلہ کسی دوسرے قبیلے پر حملہ آور ہوتا، اور اس قبیلہ کا کوئی شخص حملہ آور لشکر کو اس وقت دیکھ لیتا جب وہ بالکل سرپر پہنچ چکا ہوتا، تو وہ شخص دوڑ کر پہاڑ پر چڑھ جاتا اور بالکل برہنہ ہوجاتا، اور دہائی دیتا، اس شخص کو " النذیر العریان " کہاجاتا تھا، اُس کا یہ فعل اس بات کی علامت ہوتی کہ دشمن بالکل سرپر آپہنچا ہے، اور جس حال میں بھی ہو اسی حال میں مقابلے کے لئے کھڑے ہوجاؤ۔

اسی دستور کے مطابق آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک دن ایک پہاڑ پر چڑھ گئے، مگر آپ کپڑے پہنے رہے، اور پکارا "انا النذیر العریان" مکہ والے آپ کی صداقت اور شرم وحیا کے معترف تھے اس لئے سارا شہر آناً فاناً کام کاج چھوڑ کر پہاڑ کے دامن میں جا جمع ہوا، انھوں نے اتنی توجہ اور فکر سے اس لئے کام لیا تھا کہ حضورؐ کے اس فعل کو انھوں نے اپنی زندگی کے لئے ایک خطرے کی علامت سمجھا تھا، وہ سمجھے تھے کہ کوئی دشمن حملہ آور ہورہا ہے جس کی اطلاع یہ ہمیں دیں گے چنانچہ جب حضورؐ نے فرمایا کہ اگر میں تم سے کہوں کہ پہاڑ کے پیچھے دشمن کا لشکر چھپا ہوا ہے، جو تمہاری گھات میں ہے تو کیا تم مجھے سچا سمجھو گے؟ حالانکہ تم اُسے نہیں دیکھ رہے ہو، مگر میں چونکہ اوپر کھڑا ہوں اس لئے میری نظر کے اور اس کے درمیان کوئی آڑ نہیں ہے۔ سب نے کہا بے شک ہم آپ کی بات کی تصدیق کریں

گے ،مگر جب آپ نے فرمایا کہ وہ لشکر عذاب الٰہی کا لشکر ہے جو بالکل سر پر کھڑا ہوا ہے، میری بات مانو تو اس کے حملے سے بچ سکتے ہو۔ بس یہ سن کر ان کی ساری توجہ اور ساری فکر ختم ہو گئی، وہ آکر پچھتائے، اور کہنے لگے کہ کیا آپ نے یہی بات سنانے کو ہمیں یہاں بلایا تھا؟ کیا بات تھی؟ ان پر بس اپنی دنیا کی زندگی چھائی ہوئی تھی، اس کے ہر خطرے پر ان کے کان کھڑے ہو جاتے تھے، مگر دوسری زندگی کا انھیں خیال نہ تھا، اس لئے اس کے خطرات کی انہیں مطلق فکر نہ ہوتی تھی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مختلف مذاہب موجود تھے اور وہ ایمان کے مدعی تھے، مگر ان کے ماننے والوں کا ایمان اتنا بے جان اور بوسیدہ ہو گیا تھا کہ محض فرضی اور خیالی تکالیف کا بھی مقابلہ نہیں کر سکتا تھا، ان کی مرغوب معصیتیں اور بداخلاقیاں نہیں چھڑا سکتا تھا، ان کے پاس دین تو موجود تھا، مگر ایمان کی طاقت اور تازگی کھو جانے کی وجہ سے وہ دین چھوٹے چھوٹے حوادث کا مقابلہ کرنے کے لئے بھی انھیں آمادہ نہیں کر سکتا تھا۔

لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین پر سچے دل سے ایمان لانے والوں کا حال ان لوگوں سے بالکل مختلف تھا، انھیں اس زندگی سے زیادہ دوسری زندگی سے دلچسپی تھی، اس کی فکر تھی، اور ان کا دین ان سے بڑی سے بڑی قربانی بآسانی کرا لیتا تھا، اس لئے کہ دین اور دینی حقیقتوں پر ان کا ایمان تازہ اور

نہایت جاندار تھا۔ دوسرے مذاہب کے ٹھیکیداروں اور ان سچے دینداروں میں ایسا فرق تھا جیسا کاغذ کی تصویر اور ایک زندہ انسان میں، آگ کی تصویر اور خود آگ میں جیسا فرق ہوتا ہے، صحابۂ کرامؓ کے نئے ایمان نے ان کی رگ رگ میں وہ آگ بھردی تھی کہ مقابلے میں آنے والے جو اس ایمان سے محروم تھے مومی تصویروں کی طرح پگھل جاتے تھے یا اپنی خیر مناتے ہوئے سامنے سے ہٹ جاتے تھے، ان کی تلواروں میں لوہے کی گرمی نہ تھی، بلکہ ان کے ایمانوں کی گرمی تھی، وہ فاقہ کش اور خرقہ پوش مجاہد دراصل ہتھیار کی طاقت پر نہیں بلکہ ایمان کی طاقت پر لڑتے تھے اور دشمنوں کے چھکے چھڑادیتے تھے۔ ان کا یقین تو یہ تھا کہ اگر ساری دنیا کی تلواریں ہماری گردنوں پر پڑیں، مگر اللہ کا حکم نہ ہو تو ہمیں کوئی نہیں مار سکتا، جبکہ ان کے مقابل یہ یقین رکھتے تھے کہ تلوار کا ایک ہی وار ہمارا خاتمہ کردے گا۔ اس نئے ایمان کی طاقت نے ان غریب عربوں کے دل سے ان کی کمزوری کا احساس بالکل نکال دیا تھا، ایران کے دربار میں جب ان کے سفیر گئے تو ان کی تلواروں پر چیتھڑے لپٹے ہوئے تھے اور گھوڑے پستہ قامت تھے۔ مگر ان کا ایمان شعلہ زن تھا، اور اسی کی طاقت ساری طاقتوں پر غالب تھی، جس سے سپہ سالار ایران رستم بھی لرزاں تھا ایران کے سارے درباری بھی اپنی اپنی فکر میں پڑے ہوئے تھے۔ ان کی اسی قوت نے انھیں اس قدر جری اور نڈر بنا دیا تھا کہ ان درباروں میں قالینوں پر گھوڑوں کو

لئے ہوئے چلے جاتے، اور تخت پر نیزہ گاڑ دیتے تھے۔

حقیقی ایمان کیا ہے

اسی ایمان کا فرق تھا کہ حضورؐ کی بعثت کے وقت اگر نمازیں تھیں بھی تو، خشوع و خضوع نہ تھا، اور اگر حج تھا تو اس کی روح نہ تھی۔ لیکن جو لوگ حضورؐ کی دعوت پر ایمان لے آئے اُن میں آپ نے ایسا ایمان پیدا فرمادیا کہ حج و نماز کے وقت کے علاوہ بھی وہ ان پر چھایا رہتا تھا، اور گویا ہر دم خدا اور آخرت کو اپنی آنکھوں کے سامنے پاتے تھے، اسی دنیا میں جنت کی خوشبوئیں تک محسوس کرلیتے تھے۔

ایک صحابی کا واقعہ

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ میدانِ جنگ میں اپنے ایک صحابی کے متعلق ایک دوسرے صحابی سے حضورؐ نے فرمایا کہ جاؤ ذرا فلاں کا پتہ چلاؤ، کس حال میں ہیں (یعنی صحیح سلامت ہیں، یا خدانخواستہ زخمی پڑے ہیں، یا جاں بحق ہوگئے) انھوں نے ایک جگہ دیکھا زخمی پڑے ہوئے ہیں اور تقریباً وقت آخر ہورہا ہے، کہا حضورؐ نے حال دریافت فرمایا ہے، جواب دیا جاؤ میرا اسلام عرض کرنا اور عرض کردینا کہ حضور جنت کی خوشبوئیں آرہی ہیں۔

حضرت ابو ہریرہؓ کا واقعہ

حضرت ابوہریرہ کا واقعہ ہے کہ وہ مرض الوفات کی سخت تکلیف میں مبتلا تھے، بیوی قریب بیٹھی تھیں، تکلیف کی شدّت دیکھ کر ان کے منھ سے نکلا " واکرباہ ! " حضرت ابوہریرہ کی جب ذرا طبیعت سنبھلی، فوراً بولے کیا کہتی ہو واکرباہ ؟ نہیں ! واطرباہ واطرباہ ! غداً القی الا حبہ محمد أ وحزبہ (واہ کیا خوشی کا موقع ہے، کیا نشاط کا عالم ہے، کل ہم دوستوں سے ملیں گے، محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی جماعت سے ملیں گے) ۔

غرض صحابہ کرامؓ کو دین کی حقیقتوں پر ایسا یقین تھا کہ ہمیں محسوسات ومشاہدات پر بھی ویسا یقین نہیں ہے، اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کا ایمان نیا اور تازہ تھا، اور ہر نئی اور تازہ چیز میں ایک قوت اور شادابی ہوتی ہے۔

حضرت ابوذر غفاریؓ کا واقعہ

حضرت ابوذرغفاریؓ جب حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہوکر اسلام لائے، تو اس کا جوش پیدا ہوا کہ حق کا اعلان اور اظہار کردوں (حالانکہ دشمنانِ اسلام کی نظر میں وہ ایک جرم کا اظہار تھا) آپ نے بیچ میں جاکر بلند آواز

سے کلمہ پڑھا، کفار چاروں طرف سے ٹوٹ پڑے اور خوب زدوکوب کیا، مگران کو وہ لذت ملی کہ دوسرے دن پھر جاکر یہی پٹنے کا کام کیا، اور پھر پیٹے گئے۔ یہ دراصل ان کے ایمان کی تازگی تھی، ان کا نیا اور تازہ ایمان دین کی راہ میں دنیا کی ہر تکلیف کو حلاوت ولذت سے بدل دیتا تھا۔

حضرت عبداللہ ذولبجادینؓ کا واقعہ

حضرت عبداللہ ذوالبجادین اسلام لانے سے قبل اپنے والد کے فوت ہوجانے کی وجہ سے اپنے چچا کے پاس رہا کرتے تھے، اور انھیں کا کام کاج کیا کرتے تھے، ان کی بکریاں وغیرہ چرانے جاتے تھے، کانوں میں اسلام کی آواز پہنچ چکی تھی، ایک دن تہیہ کرلیا کہ آج محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں جاکر اسلام لے آنا ہے چچا کے پاس آئے، بکریوں کا ریوڑ چچا کے حوالے کیا، اور کہا، میں اب اس ذمہ داری سے سبکدوش ہونا چاہتا ہوں، اسلام قبول کرنے جارہا ہوں، چچا نے کہا بدن پر جو کپڑے ہیں اتارتے جاؤ، ظالم نے بالکل برہنہ کرکے چلتا کردیا، کیسے نہ کیسے والدہ کے پاس پہنچے، اور پہننے کے لئے کپڑا مانگا، انھوں نے ایک کمبل دیا، جس کے دو ٹکڑے کرکے ایک اوڑھا اور ایک باندھا اور حضورؐ کی خدمت میں پہنچے، اور پھر بقیہ زندگی آپ کے قدموں میں گزاردی، ذوالبجادین کا لقب آپ نے ان کی

دو کملیوں کی وجہ سے دیا تھا۔

تازہ ایمان کی کشش

بزرگو اور دوستو! نیا اور تازہ ایمان اس زندگی کو بالکل بے وقعت بنا دیتا ہے، اوراس کو قبول کرنے والا فوراً داعی و مجاہد بن جاتا ہے۔ ایک جنگ کے موقع پر رومیوں کی صف سے ایک بہادر نکلا اور اس نے حضرت خالدؓ کو پکارا، آپ گئے، اس نے بجائے لڑنے کے اسلام کے متعلق کچھ سوالات شروع کردیئے اور آخر میں دریافت کیا کہ تمہارے دین میں داخل ہونے کا طریقہ کیا ہے، آپ نے سب سوالات کے جوابات دیئے، اور اپنے خیمے میں لے آئے، وہاں اسے غسل کرایا، کلمہ پڑھایا، اس نے دو رکعت نماز پڑھی، اور پھر میدان جنگ میں واپس آیا، اور اللہ کی راہ میں بڑی بہادری اور بے جگری سے لڑکر شہید ہوگیا۔ دیکھا آپ نے نئے اور تازہ ایمان میں کتنی کشش ہے کہ حضرت خالدؓ بیچ میدان جنگ میں سے ایک دشمن کو اسلام کا خادم بنا کے لے آئے، اور اس نے اسلام قبول کرتے ہی اپنی زندگی اس پر نثار کردی۔

ہماری دعوت

دوستو! ہماری دعوت دراصل ایمان کی اسی اصل طاقت کو حاصل کرنے کی دعوت ہے، اور ایسا ایمان پیدا کرنے کی دعوت ہے جس سے ہمارے متعلقین اور ہمارے احباب بھی ایک خوشبو محسوس کریں۔ پھول میں اگر خوشبو ہوتی ہے تو ضرور محسوس ہوتی ہے، آگ میں جب گرمی ہوتی ہے تو ضرور محسوس ہوتی ہے، اسی طرح اگر ہمارے ایمان میں خوشبو ہو، گرمی ہو، تو اس سے دوسرے ضرور متاثر ہوں گے، ورنہ دوسروں کی شکایت اور غیروں کے شکوے بیکار ہیں۔

حمص میں مسلمانوں کا غلبہ ہوا، اور وہاں جزیہ وصول کیا گیا، مگر تھوڑے ہی دن بعد خلیفۂ وقت کے حکم سے اس جگہ کو چھوڑ کر جانا پڑا، تو جزیہ کی ایک ایک پائی کا حساب کر کے واپس کیا گیا، یہ ان کے ایمان کا اثر تھا، حمص کے یہودیوں اور عیسائیوں نے اس سے ان کے ایمان کی خوشبو محسوس کی۔ چنانچہ جب مسلمان رخصت ہو رہے تھے تو وہ لوگ روتے تھے، اور دعائیں کرتے تھے، کہ اللہ تم کو پھر واپس لائے۔ اسی طرح اگر ہمارے اندر کوئی ایمانی طاقت، کوئی اندرونی قوت، اور اخلاقی برتری ہو، تو نا ممکن ہے کہ دوسرے انسان اس کو محسوس نہ کریں۔

مسلمانوں کے پاس سرمایہ اور علم، تمدن اور دوسری دولتوں کی کمی نہیں

اصل میں جو کمی ہے اور جس سے لوگوں کی نگاہیں بدل گئیں اور مسلمان دنیا کی نظروں سے گر گئے، وہ ایمان کی تر و تازگی اور شادابی کی کمی ہے اس کمی کا اثر آج ہی نہیں اسی وقت ظاہر ہو گیا جب مسلمان صاحب اقتدار و حکومت بھی تھے۔ بنی اُمیہّ کے عہد میں حکومت کی طرف سے ایک غیر مسلم باج گزار ریاست میں جزیہ کی رقم وصول کرنے کے لئے محصِّل گئے۔ یہ پہلا موقع تھا جب اسلامی حکومت کے محصِّل حکومتی کرّ و فر کے ساتھ وہاں گئے، تو والیٔ ریاست نے کہا کہ وہ اللہ کے بندے کہاں ہیں جو پہلے آیا کرتے تھے، جو گھانس کے چپّل پہنے ہوتے تھے، جن کے چہروں سے فاقہ کشی اور کپڑوں سے غربت ٹپکتی تھی؟ اس کو بتلایا گیا کہ وہ تو اگلے زمانہ کے مسلمان تھے، اب وہ کہاں ہیں۔ تو اس نے کہا کہ اب ہم ایک پیسہ خراج کا نہیں دیں گے، کیونکہ ہم نے اب تک ان سے مرعوب ہو کر خراج دیا تھا، وہ جس وقت کہتے تھے کہ اللہ کے بندے اللہ کا مطالبہ دے، تو ہم ان کی بات کو رد نہیں کر سکتے تھے، لیکن تم سے مرعوب ہونے کی وجہ نہیں ہے، تمہارا جو جی چاہے کر لو!

آج تر و تازہ ایمان کی شدید ضرورت

دنیا کو آج اس تر و تازہ ایمان کی شدید ضرورت ہے جو آدمی کی پوری زندگی کو اپنے تابع کرے، مگر یہی ضروری چیز ہے جو دنیا سے ناپید ہو گئی۔ آج یورپ کے

کارخانوں نے دنیا کی ہر ضروری بلکہ غیر ضروری بھی چیز بنا ڈالی ہے، اور ہر ضرورت مند بازار سے خرید سکتا ہے، مگر وہ چیز جس کو پیدا کرنے سے یورپ کے کارخانے بھی عاجز ہیں یہی خالدؓ و بوذرؓ کا ایمان ہے، اور اسی بنا پر یورپ کو اس بات کا پورا پورا اعتراف ہے کہ وہ دنیا کو برائیوں اور جرائم سے پاک کر دینے سے قاصر ہے۔ بڑے بڑے ماہرین اخلاقیات و نفسیات اخلاقی جرائم کے مرتکب ہوتے ہیں۔ یورپ کا ایک ماہر نفسیات واخلاقیات جو ہر سال اپنی خدمات قبول کرانے کے لئے حکومت کے سامنے سفارش پیش کیا کرتا تھا، ایک بار ایک عورت کے گلے سے ہار چراتے ہوئے پکڑا گیا۔ یہ چرچل و ٹرومین جو دنیا کے امن کے چوکیدار بنے بیٹھے ہیں، اگر موقع ملے تو شخصی یا قومی اقتدار حاصل کرنے یا قائم رکھنے کے لئے ایٹم بم گرا کر دنیا کو تباہ برباد کر دیں، جیسا کہ گزشتہ جنگ میں جاپان کے دو معصوم صنعتی شہروں کے ساتھ کیا۔

دوستو! ہم کسی نئے دین کے داعی نہیں، لیکن ایک نئے ایمان کے ضرور داعی ہیں ہم ضرور کہتے ہیں کہ اپنے ایمان کو تازہ کرو، خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"یَاأَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا آمِنُوا" (پارہ ۵، النساء۔۔۔۔۔۔۱۳۶)

اے وہ لوگو! جو ایمان لا چکے ہو، ایمان لاؤ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

جَدِّدُوا اِیْمَانَکُم (اپنے ایمانوں کو نیا کرتے رہو) اور یہی ہماری دعوت ہے!

ہم کھل کر کہتے ہیں کہ ہم اور ہمارے بزرگ، بڑے اور چھوٹے، ہمارے ساتھی، اس کے محتاج ہیں کہ ہمارا ایمان تازہ ہو، اور وہی ایمان پیدا ہو جو ہمارے اسلاف کا تھا۔ اس ہندوستان میں جو بزرگ اپنے اپنے وقت میں ایمان کے داعی اور مجدد گزرے ہیں انہوں نے بھی اس وقت باوجود یہ کہ دین اور ایمان موجود تھا اور عالمِ دین موجود تھے، ایمان کی تجدید کی دعوت دی، اور امت کے اندر ایک نئی ایمانی زندگی پیدا کردی۔ پھر ان قدیم الاسلام، نو مسلموں سے وہ باتیں ظہور میں آئیں جنھوں نے قرنِ اول کی یاد تازہ کردی، اور ثابت کردیا کہ ایمان میں بڑی طاقت ہے اور اس طاقت کو ہر زمانہ میں زندہ کیا جاسکتا ہے۔ آج بھی اسی طاقت کی دنیا میں ایسی مثالیں ملتی ہیں جن سے اسلاف کی روایات تازہ ہوجاتی ہیں۔ مصر میں "اخوان المسلمین" کے نو جوانوں نے جب اپنے اندر نیا ایمان پیدا کیا تو انہوں نے دین کے لئے ایسی قربانیاں پیش کیں جن کی اس زمانہ میں مثال نہیں ملتی۔

اس وقت ساری اسلامی دنیا میں ایمان کی طرف ایک بازگشت ہو رہی ہے۔ ترکی، مصر اور حجاز میں اپنے اپنے طرز پر ایمان کو بڑھانے کی کوشش کی جارہی ہے۔

ہر ملک کی طرح، اور شاید اور ملکوں سے زیادہ ہمارے اس ملک میں ضرورت ہے کہ نیا ایمان حاصل کرنے کی کوشش کی جائے، اور اس کی دعوت عام کی جائے۔

ہمارا افسردہ اور بوسیدہ ایمان مشکلات کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں رکھتا، معمولی حالات کا مقابلہ معمولی اور کمزور ایمان کر سکتا ہے، لیکن غیر معمولی حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے غیر معمولی طاقت کا ایمان درکار ہے۔ آج دنیا میں مسلمانوں کو غیر معمولی حالات کا سامنا ہے، اس لئے ہمیں اپنے ایمان میں غیر معمولی تازگی، اور اپنی زندگی میں غیر معمولی تغیّر پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔

ہمارے ان اجتماعات کی دعوت اور ہماری حقیر کوششوں کا مقصد

یہی ہے کہ ہم میں از سر نو حقیقی ایمان

اور ابتداء اسلام کے نو مسلموں کا سا جوش اور ذوق پیدا ہو! حالات کے بدلنے میں صرف اتنی ہی بات کی دیر ہے۔

☆☆☆☆

تقریر (۳)

نفس پرستی
یا خدا پرستی

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

"دوستو اور بزرگو!

یہ خدا پرستی کی دعوت تھی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں پیش کی، اور نتائج کے لحاظ سے یہ دنیا کی سب سے زیادہ نفع بخش کوشش ہے۔ کوئی شخص دنیا کی کسی اور دعوت کا نام لے کر نہیں بتلا سکتا کہ اس نے دنیا کو اتنا فائدہ پہنچایا، حالانکہ اس دعوت کے حصے میں انسانوں کی اتنی کوششیں اور اتنے وسائل نہیں آئے جو عصر حاضر کی معاشی اقتصادی اور سیاسی تحریکوں کے حصے میں آئے مگر پھر بھی ان تمام تحریکوں کے فائدے مل کر بھی اس ایک دعوت کے فائدوں کا دسواں حصہ بھی نہ ہو سکے ...."

(اسی تقریر کا ایک اقتباس)

نفس پرستی یا خُدا پرستی؟

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ العالی

یہ تقریر دعوت اصلاح و تبلیغ کے ایک اہم عام اجتماع ۲۸ / نومبر ۱۹۵۸ء کی شب میں امین الدولہ پارک لکھنؤ میں کی گئی۔ اس اجتماع میں ہر مذہب و ملت کے لوگ موجود تھے اور حاضرین میں ان کی تعداد بہت کافی تھی۔

خطبۂ مسنونہ کے بعد

امیر جمع ہیں احباب دردِ دل کہہ لے!
پھر التفاتِ دلِ دوستاں رہے نہ رہے

دوستو!

میں اس وقت آپ سے کچھ دل کی باتیں کہنا چاہتا ہوں، اور اس طرح کہنا

چاہتا ہوں جیسے میں آپ میں سے ہر ایک کے ساتھ تنہا بیٹھا ہوا گفتگو کر رہا ہوں، فی الواقع اگر اس کا کوئی امکان ہوتا کہ آپ میں سے ہر دوست سے الگ ہی الگ اپنے دل کی بات کہہ سکتا تو میں ضرور ایسا ہی کرتا۔ تاکہ آپ اسے تقریر سمجھ کر نہیں، بلکہ ایک دوست کا درد دل سمجھ کر سنتے، مگر کیا کروں ایسا ممکن نہیں ہے اگر یہ چیز ممکن ہوتی تو الیکشن میں کھڑے ہونے والے امیدوار ضرور اس پر عمل کرتے، اور وہ اپنی انتخابی مہم کے سلسلے میں جلسے منعقد نہ کرتے، اس لیے کہ انھیں تو ان جلسوں میں وہ باتیں کہنا ہوتی ہیں جو تنہائیوں میں لے جا کر کسی کے کان میں بھی کہنا گراں ہوتی ہیں، یعنی اپنی تعریف، اپنی اہلیت کا اظہار اور اپنی شان میں اپنے آپ ہی قصیدہ خوانی، اس لیے میں بس اتنا ہی کہہ سکتا ہوں کہ آپ سے یہ درخواست کروں کہ براہ کرم میری گزارشات اسٹیج کی نہیں، بلکہ دل کی باتیں سمجھ کر سنیے۔

زندگی کی دو قسمیں

دوستو اور بزرگو!

دُنیا میں زندگی کے بہت سے طرز رائج ہیں اور اس کی بہت سی قسمیں سمجھی جاتی ہیں، مشرقی زندگی، مغربی زندگی، جدید طرز زندگی، قدیم طرز زندگی وغیرہ وغیرہ لیکن حقیقت میں زندگی کی بنیادی قسمیں صرف دو ہیں، ایک نفس پرستانہ زندگی، دوسری

خدا پرستانہ زندگی، باقی جتنی قسمیں جتنے مختلف ناموں سے مشہور ہیں وہ سب ان ہی دو کی شاخیں ہیں۔

پہلی قسم کی زندگی یہ ہے کہ آدمی اپنے آپ کو ایک شتر بے مہار سمجھ کر زندگی گزارے اور جو من میں آئے وہ کر گزرے، اس کو من مانی زندگی بھی کہہ سکتے ہیں" دوسرے قسم کی زندگی ایک ایسے آدمی کی زندگی ہے جو یقین رکھتا ہے کہ اسے کسی نے پیدا کیا ہے، وہ پیدا کرنے والا ہی اس کی زندگی کا مالک اور حاکم ہے، وہ اس کی ضرورتوں اور مصلحتوں کو سب سے زیادہ جانتا ہے، اس کی طرف سے زندگی گزارنے کے کچھ ضابطے اور قاعدے ہیں جن کی پابندی کرنا ضروری ہے۔

ہندوستان میں مہابھارت ایک بہت بڑی تاریخی لڑائی ہوئی ہے اس کی تاریخی حیثیت سے مجھے انکار نہیں ہے، مگر اس دنیا میں ایک دوسری مہابھارت بھی پائی جاتی ہے، یہ ہندوستان کی مشہور مہابھارت سے زیادہ قدیم ہے، یہ وہ لڑائی ہے جو خدا پرستی اور نفس پرستی کے درمیان ہمیشہ سے جاری ہے، یہ لڑائی کسی ایک ملک ہی تک محدود نہیں رہی ہے بلکہ دنیا کے ہر ہر ملک میں پہنچی، اور نہ یہ جنگ کے میدانوں ہی تک محدود رہی، بلکہ اس کے معرکے گھروں کے اندر بھی ہوئے ہیں، یہ زندگی کے دو اصول ہیں جو ہمیشہ ایک دوسرے پر غالب آنے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔ حضراتِ پیغمبران نے اپنے اپنے وقتوں میں ہر جگہ

خداپرستانہ زندگی کی دعوت دی ہے، اوران کی کامیابی کے دور میں اسی قسم کی زندگی کادوردورہ رہا، لیکن نفس پرستی ہمیشہ کے لئے کبھی فنانہیں ہوئی، بلکہ اسے جب بھی موقع ملاوہ زندگی پرقابض ہوگئی، بدقسمتی سے ہمارا زمانہ وہ ہے جس میں نفس پرستی زندگی پرپوری طرح مسلط ہے، زندگی کا ہرشعبہ اور ہرمیدان اس کی گرفت میں آیاہواہے، گھروں میں نفس پرستی، بازاروں میں نفس پرستی، دفتروں میں نفس پرستی، کارخانوں میں نفس پرستی، گویاایک سمندرہے جوخشکی میں پورے زوروشور سے بہہ رہاہے، اورہم اس میں گلے گلے اُترے ہوئے ہیں۔ یہ نفس پرستی اب مستقل ایک مذہب بن چکاہے، نہیں! بلکہ ہمیشہ اس کی یہ نوعیت رہی ہے اور عموماً اسی مذہب کے ماننے والوں کی تعدادسب سے زیادہ رہتی ہے، ہرچندکہ مذاہب کی فہرست میں اس نام کا کوئی مذہب نہیں بتلایا جاتا، اورنہ اس نام سے کسی مذہب کے ماننے والوں کی تعداد کا شمار کیا جاتاہے، مگریہ اپنی جگہ بالکل حقیقت ہے کہ یہ دنیاکاسب سے بڑامذہب ہے، اور اس کے ماننے والے سب سے زیادہ تعداد میں پائے جاتے ہیں، آپ کے سامنے مختلف مذاہب کے ماننے والوں کے اعداد وشمار آتے ہیں کہ عیسائی مذہب کے پیرو اتنے، اسلام کے پیرو اتنے، اورہندو دھرم کے ماننے والے اتنے، مگران میں سے ہرایک میں ایک بڑی تعداد اُن لوگوں کی ہے جو کہلاتے تو ہیں مذہباً عیسائی، ہندو، اور مسلمان، لیکن ہیں درحقیقت اسی مذہب نفس

پرستی کے پیرو۔

نفس پرستی کی تباہیاں

نفس پرستی کی زندگی کا رواج، اور اس کے مذہب کی مقبولیت صرف اس وجہ سے ہے کہ آدمی کو اس میں مزہ بہت آتا ہے، مانا کہ نفس پرستی کی زندگی بڑے مزے کی اور بڑے لطف کی زندگی ہے، اور ہر آدمی کی طبعی خواہش لطف اندوزی ہوتی ہے لیکن اگر دُنیا کے تمام انسانوں کو سامنے رکھ کر سوچا جائے تو پھر اس قسم کی زندگی دنیا کے لیے ایک لعنت ہے، اور اس کی ساری مصیبتیں اور سارے دُکھ اسی نفس پرستی کا نتیجہ ہیں، اور دنیا کی ساری تباہیوں، تمام قحطوں، ناانصافیوں کی ذمہ داری انھیں لوگوں پر عائد ہوتی ہے جو اس منحوس مذہب کے پیرو ہیں۔

اس دُنیا میں اس مذہب کی گنجائش صرف اس صورت میں نکل سکتی ہے کہ پوری دُنیا میں صرف ایک انسان کا وجود ہو، اسی صورت میں وہ اپنے نفس کی مانگوں کو من مانے طور پر پورا کرنے کا حقدار ہوسکتا ہے۔ لیکن واقعہ یوں نہیں ہے، اس دُنیا کے پیدا کرنے والے نے اس میں کروڑوں اور اربوں انسانوں کو بسایا ہے، اور ان میں سے ہر ایک کے ساتھ نفس، خواہشاتِ نفس، اور ضروریات نفس لگی ہوئی ہیں ایسی صورت میں جو شخص بھی من مانی زندگی گزارنے کی

کوشش کرتا ہے وہ گویا اس واقعہ سے آنکھ بند کرتا ہے کہ اس کے ساتھ اس کے اور بھی ہم جنس رہتے ہیں، لیکن واقعہ سے آنکھیں بند کرنے سے واقعہ غلط نہیں ہوجاتا، وہ اپنی جگہ پر رہتا ہے، اس لیے کچھ لوگوں کی نفس پرستی کا نتیجہ لامحالہ دوسروں کی مشکلات اور مصائب کی شکل میں نکلے گا۔

نفس پرستی کی زندگی گزارنے والا من کا راجہ ہوتا ہے، من کا راجہ وہ راجہ ہے کہ اگر ساری کائنات میں بھی اس کی خواہشات کا سکہّ چلے تو اس کا پیٹ اتنے میں بھی نہیں بھر سکتا، وہ اس سے اور زیادہ کا خواہش مند رہے گا غور فرمایئے جب یہ ساری کائنات بھی ایک من کے راجہ کی تسکین کے لیے ناکافی ہے تو آج جو ایک ایک گھر کی محدود سی دُنیا میں کئی کئی من کے راجہ پائے جاتے ہیں، تو وہ کیونکر تسکین اور چین پاسکتے ہیں ۔ اس نفس پرستی کے مرض نے ایک ایک گھر میں چار چار من کے راجہ پیدا کر دیے ہیں، باپ بھی راجہ، ماں بھی رانی، تو کیونکر گھروں میں چین اور سکون رہ سکتا ہے؟ یہ نفس پرستی کی زندگی جس کو ہر شخص گزار کر مزہ حاصل کرنا چاہتا ہے ایک آگ لگی ہوئی ہے جس میں ایک گھر کے افراد بھی جل رہے ہیں، ایک ملک کی قوم بھی جل رہی ہے، اور دنیا کی پوری آبادی جھلس رہی ہے۔

دنیا کی مصیبتوں کی جڑ

دوستو! دُنیا کی مصیبتوں کی جڑ یہی ہے کہ ہر شخص اپنے نفس کی اطاعت کرنا چاہتا ہے۔ اور ان مصیبتوں کا علاج یہ ہے کہ من کا کہا ماننے کے بجائے خدا کی اطاعت کرو۔ یہ دنیا کروڑوں کی تو کیا دو آدمیوں کی بھی من مانی کی گنجائش اپنے اندر نہیں رکھتی، اس لیے من مانی زندگی گزرانے کے خیال کو چھوڑ دو، اور اس طرح زندگی گزارنے کی کوشش کرو جس کا پیغام اللہ کے پیغمبروں نے دیا تھا، یعنی خدا پرستی کی زندگی اس دنیا کے پیدا کرنے والے نے ہر زمانے میں اس زندگی کے پیغامبر پیدا کیے۔ کیونکہ اسی طرز زندگی سے دنیا کا نظام ٹھکانے سے چل سکتا تھا، ان پیغمبروں نے پوری طاقت سے اس طرز زندگی کی دعوت دی۔ اور نفس پرستی کا زور توڑنے کی اپنی طاقت بھر پوری کوشش کی۔ لیکن جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں پھر بھی نفس پرستی کا رواج دنیا سے مٹا نہیں، اور جب بھی خدا پرستی کی دعوت کمزور پڑی، نفس پرستی کا رواج بڑھ گیا، اور اس کا سیلاب آتے ہی دنیا کے عام لوگوں کی مصیبتیں بھی بڑھ گئیں، اور نا قابل برداشت حد تک پہنچ گئیں، مثال کے طور پر چھٹی صدی عیسوی کا زمانہ دیکھیے، اس صدی میں نفس پرستی کا رواج انتہائی عروج کو پہنچ گیا تھا، ملک ملک اس کا دور دورہ تھا، یہ ایک بہتا ہوا دریا

تھا جس کے دھارے پر ہر چھوٹا بڑا بہہ رہا تھا، بادشاہ اپنی نفس پرستی میں مبتلا تھے، رعایا ان کی نقل میں نفس پرستی کا شکار تھی، مثال کے طور پر ایران کا حال بیان کرتا ہوں۔ وہاں قوم کا ہر طبقہ بیمار تھا، شاہ ایران کی نفس پرستی کا حال یہ تھا کہ اُس کی بیویوں کی تعداد بارہ ہزار تھی، جب مسلمانوں نے اس ملک کو اس مصیبت سے نجات دلانے کے لیے حملہ کیا اور ایران کا بادشاہ تخت چھوڑ کر بھاگا تو ایسے نازک وقت میں بھی یہ حال تھا کہ اُس کے ہمراہ ایک ہزار باورچی تھے، ایک ہزار گویّے تھے، اور ایک ہزار باز اور شکرے کے محافظ و منتظم تھے، مگر اس پر بھی اس کو افسوس تھا کہ بڑی بے سروسامانی میں نکلنا ہوا ہے، اس زمانہ کے جنرل اور سپہ سالار ایک ایک لاکھ کی ٹوپی اور ایک ایک لاکھ کا ٹپکا لگاتے تھے۔ اونچی سوسائٹی میں معمولی کپڑا پہننا گویا جرم تھا، لیکن اس طبقے کی نفس پرستی نے عوام کو کن مشکلات میں مبتلا کردیا، اس کا اندازہ اس سے کیجیے کہ کسانوں کا حال یہ تھا کہ وہ لگان بھی نہیں دے سکتے تھے، اور زمینیں چھوڑ چھوڑ کر خانقاہوں اور عبادت گاہوں میں جا بیٹھے تھے، متوسط طبقے کے لوگ امراء کی ریس میں دیوالیے ہوئے جارہے تھے، چنانچہ معاشی لوٹ کھسوٹ برپا تھی، غرض زندگی کیا تھی، ایک ریس کا میدان تھی، ظلم وزیادتی عام تھی، ہر بڑا اپنے چھوٹے کو، اور حاکم اپنے محکوم کو لوٹنے، اس کا خون چوسنے کی کوشش میں لگا ہوا تھا، پوری سوسائٹی میں ایک سڑاہند پھیلی ہوئی تھی، آپ سمجھتے

ہیں کہ ایسی سوسائٹی میں عقائد، اخلاق، اور کیرکٹر کیسے پنپ سکتا تھا، اور کس کو آخرت کی فکر اور اخلاقی ذمہ داریوں کا احساس رہ سکتا ہے ان تمام اعلیٰ چیزوں کو تو وہ نفس پرستی کا سیلاب بہائے لیے چلا جارہا تھا، لیکن کوئی نہ تھا جو اس سیلاب پر بند باندھتا، اور اسکے دھارے کو روکتا۔ علماء ادباء اور فلاسفہ سب اسی کے رُخ پر تنکوں کی طرح بہہ رہے تھے، کسی میں ہمت نہ تھی جو دھارے کے رُخ کے خلاف پیر کرد کھاتا، اور دھارا بھی کون سا، پانی کا نہیں، عام رواج کا دھارا ؟۔

ایک شیر دل انسان

اس کی ہمت ایک شیر دل انسان ہی کر سکتا ہے، اللہ کو منظور تھا کہ اس دھارے کا رخ موڑا جائے، اس کام کے لیے اس نے عرب میں ایک انسان کو پیدا کیا اور اس کو نبوت عطا کی جس کو ہم محمد رسول اللہ کے نام سے یاد کرتے ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) جنھوں نے دھارے کے خلاف صرف پیر کر ہی نہیں، بلکہ اس کا رُخ موڑ کر دکھادیا اس وقت کسی ایسے آدمی سے کام نہیں چل سکتا تھا جو دھارے کے رُخ کو تو نہ موڑ سکے، بلکہ اس میں بہنے والی چیزوں کو نکال لائے، اس لیے کہ اس وقت کوئی ایسا محفوظ مقام نہ تھا، جہاں اس سیلاب کا دھارا نہ چل رہا ہو عبادت گاہوں اور کلیساؤں تک کو تو اس سیلاب نے اپنی زد میں لے لیا تھا، اس

سمندر میں کوئی ٹاپو نہ تھا، اور اگر تھا تو وہ ہر آن خطرے کی زد میں تھا، ایمان، اخلاق، شرافت، تہذیب، اور مختصر الفاظ میں انسانیت کی روح کو اس سیلاب سے بچانے کا کام اگر کوئی شخص کر سکتا تھا تو وہی شخص کر سکتا تھا جس میں دھارے کا رُخ موڑ دینے کی ہمت ہو، ایسی ہستی اس وقت صرف اللہ کے اُسی آخری پیغمبر کی ہستی تھی جس نے رواجِ عام کے اس دھارے کو جو ایک طوفانی انداز میں نفس پرستی کی سمت میں بہہ رہا تھا، چند سال کی کوشش سے خدا پرستی کی طرف پھیر دیا تھا، ہمیں جو چھٹی صدی عیسوی کی دنیا کی تاریخ میں ایک دم سے ایک حیرت انگیز انقلاب نظر آتا ہے جس نے ساری زندگی کو اور بالآخر ساری دنیا کو متاثر کیا، اور اب بھی جو کچھ انسانیت اور خدا پرستی کا بچا کھچا سرمایہ ہے، وہ سب انھیں کی محنت کا فیض ہے۔

بہار اب جو دُنیا میں آئی ہوئی ہے
یہ سب پود انھیں کی لگائی ہوئی ہے

ممکن ہے آپ میں سے کسی کو یہ شُبہ گزرے کہ یہ کہنا تو صحیح نہیں ہے کہ اس زمانے میں عام طور پر لوگ صرف نفس پرست تھے، کیونکہ وہاں بہت سی دوسری "پرستیاں" بھی موجود تھیں، کچھ لوگ سورج پرست تھے، کچھ آگ کو پوجتے تھے، کچھ صلیب کو پوجتے تھے، کچھ درختوں پوجتے تھے، اور کچھ پتھروں کی پرستش کرتے

تھے، ٹھیک ہے! یہ بات اپنی جگہ پر صحیح ہے، مگر یہ تمام "پرستیاں" اسی ایک پرستی کی قسمیں تھیں، جس کے عام رواج کا میں دعویٰ کررہا ہوں۔ یہ ساری پرستیاں اسی لیے کی جاتی تھیں کہ یہ نفس پرستی کے مخالف نہ تھیں، یہ "پرستیاں" من مانی زندگی گزارنے میں رکاوٹ نہیں ڈالتی تھیں، آگ، پیڑ، پتھر، سورج وغیرہ ان سے نہ کہتے تھے کہ یہ کام کرو، اور یہ مت کرو۔ اس لیے وہ ان کی پرستش کے پہلو بہ پہلو اپنے نفس کی اطاعت بھی کرتے رہتے تھے اور دونوں میں کوئی تناقض نہیں پاتے تھے بہرحال ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سیلاب سے لڑنے اور اس کا رُخ موڑنے کا بیڑا اٹھایا، اور پوری سوسائٹی سے لڑائی مول لی۔ حالانکہ آپ اپنی اس سوسائٹی میں بہت مقبول اور ہردلعزیز تھے، صادق وامین کے معزز لقب سے یاد کیے جاتے تھے، اور اس لیے آپ کو ترقی کے بڑے بڑے مواقع حاصل تھے، آپ کو اپنی قوم کا اتنا اعتماد حاصل تھا کہ ترقی کا کوئی اونچے سے اونچا مقام نہ تھا جو آپ کو مل نہ سکتا، مگر یہ سب کچھ جب ممکن تھا، جب آپ ان کی زندگی کے رُخ کو غلط نہ کہتے، اور اس کو ایک دوسرے رُخ پر موڑ دینے کے عزم و ارادے کا اظہار نہ فرماتے، مگر آپ کو تو اللہ نے کھڑا ہی اس لیے کیا تھا کہ بہاؤ کے رُخ پر نہ خود بہیں اور نہ کسی کو بہنے دیں، اس لیے سب سے پہلے تو آپ نے اپنی زندگی کو خدا پرستی کی زندگی کا نمونہ بنا کر پیش کیا، اور بالفاظ دگر دھارے کے خلاف پیر کرد کھادیا۔ اور پھر پوری سوسائٹی

کے رخ کو نفس پرستی سے ہٹاکر خدا پرستی کی طرف موڑدینے کی کوشش شروع کی، اس کوشش کو کامیاب بنانے کے لیے آپ نے تین بنیادی چیزیں لوگوں کے سامنے پیش کیں۔

۱:۔ یہ یقین کرو کہ تمھارا اور اس ساری دُنیا کا پیدا کرنے والا اور اس پر حکومت کرنے والا، ایک ہے۔

۲:۔ یہ یقین کرو کہ اس زندگی کے ختم ہونے کے بعد ایک دوسری زندگی ہے جس میں اس زندگی کا حساب وکتاب دینا ہے۔

۳:۔ یہ یقین کرو کہ میں اللہ کا بھیجا ہوا (پیغمبر) ہوں۔ اس نے اس زندگی کے متعلق احکام دے کر مجھے بھیجا ہے، جن احکام پر مجھے بھی چلنا ہے اور تمھیں بھی۔

آپ نے جب ان چیزوں کا اعلان فرمایا تو سوسائٹی میں ایک ہلچل مچ گئی مخالفتیں اُٹھ کھڑی ہوئیں۔ اس لیے کہ یہ نعرہ ان کی زندگی کے آرام میں خلل ڈالنے والا تھا، سارا زمانہ جس رُخ پر بہہ رہا تھا اس کو چھوڑکر دوسرا رُخ اختیار کرنا آخر کوئی آسان کام تو تھا نہیں، زندگی کی کشتی بہاؤ پر بلا دقت کے چلی جارہی تھی، انھیں کیا پڑی تھی کہ بہاؤ کے خلاف اپنی کشتی چلاکر دقتیں اور خطرات مول لیں، اس لیے انھوں نے چاہا کہ یہ آواز دب جائے، کچھ لوگوں نے آپ کی نیت ہی پر شبہ کیا، ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ دیکھنے میں ایک انھیں جیسا انسان اتنا صاحب عزم بھی

ہوسکتا ہے، کہ زندگی کے اس طوفانی دھارے کا رخ موڑنے کی ٹھانے جس میں صرف ہم ہی نہیں دنیا کی ساری قومیں، ان کے علماء اور حکماء، ان کے احبار و رہبان، ان کے ائمہ تہذیب و سیاست، ان کے عقائد و اخلاق، ان کے علوم و فلسفے اور ادب و سیاست خس و خاشاک کی طرح بہے چلے جارہے ہیں۔ وہ اس دعوے میں کسی شخص کو مخلص ماننے سے قطعاً عاجز تھے۔

ہر قسم کی پیشکش کو ٹھکرانا

اس لیے انھوں نے سمجھا کہ اس دال میں کچھ کالا ضرور ہے۔ ہو نہ ہو اس بلند بانگ دعوے کے پیچھے کچھ اور مقصد اور کوئی اور خواہش کام کررہی ہے اس لیے انھوں نے ایک وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا، جس نے اپنے خیال کے مطابق تین بڑی چیزیں آپ کے سامنے پیش کیں، اس نے کہا کہ اگر آپ کا مقصد اس قسم کی باتوں سے یہ ہو کہ ہم آپ کو اپنا سردار تسلیم کرلیں تو چھوڑیئے ان باتوں کو ہمیں یہ منظور ہے، یا اگر آپ بہت سے مال و دولت کے طالب ہوں تو ہمیں یہ بھی منظور ہے، اور یا اگر آپ کسی حسین عورت کے خواہش مند ہوں تو ہمیں یہ بھی منظور ہے ہم ملک کی سب سے حسین عورت آپ کو پیش کریں گے۔ آپ نے جو یہ نئی بات اٹھانی شروع کی ہے اس سے دستبردار ہوجایئے

مگر اللہ کے اس سچے رسُول اور خدا پرستی کے سب سے بڑے علمبردار نے نہایت بے نیازی سے جواب دیا کہ میں تم سے کچھ لینا نہیں چاہتا، تمھیں کچھ دینا چاہتا ہوں کہ تمھیں موت کے بعد والی زندگی میں راحت ملے، اور وہ میری ان تین باتوں کے قبول کرنے پر موقوف ہے۔ آپ کی زبان ہی نہیں، بلکہ آپ کی پوری زندگی نے ان لوگوں کے اس خیال کی تردید کی کہ آپ دنیا کی کسی چیز کے خواہش مند ہیں مخالفت نے اتنی شدت اختیار کی کہ آپ کو مکہ چھوڑ کر مدینہ جانا پڑا، مگر خدا پرستی کی دعوت کو نہیں چھوڑا، مخالفین کو اندازہ نہیں تھا کہ آپ نفس پرستی سے کتنی دُور تھے، اور اس دھارے کے مخالف سمت میں تیرنے کی آپ میں کتنی طاقت تھی اور کتنا عزم تھا، آپ نفس پرستی سے اتنی دور تھے کہ جب مکہ چھوڑنے کے کچھ سال بعد آپ پھر مکہّ میں آئے، اور فاتحانہ حیثیت سے آئے، اپنے مخالفوں کو مغلوب کر کے آئے تب بھی آپ کی خدا پرستانہ شان میں ذرا تغیر نہ ہوا، فتح کا نشہ آپ پر ذرا بھی نہیں چڑھا، مکہ میں آپ کا فاتحانہ داخلہ اس شان سے ہوا کہ اونٹ پر سوار تھے، بدن پر غریبانہ لباس تھا اور زبان پر خدا کا شکر اور اپنی عاجزی کا اظہار تھا، اس موقع پر ایک آدمی آپ کے سامنے آیا اور رعب سے کانپنے لگا آپ نے فرمایا گھبراؤ نہیں میں قریش کی اس غریب عورت کا بیٹا ہوں جو سوکھا گوشت کھایا کرتی تھی، سوچئے! کیا کوئی فاتح ایسے وقت میں ایسی بات کہہ سکتا ہے، جس سے اس کا رعب

لوگوں پر سے اُٹھ جائے؟ ایسے وقت میں تو کوشش کی جاتی ہے کہ زیادہ سے زیادہ رعب ڈالا جائے، آپ آج بھی دیکھتے ہیں اور آج سے پہلے کا حال تاریخ میں پڑھ سکتے ہیں، کہ جن لوگوں کے ہاتھ میں حکومت اور اقتدار آجاتا ہے، اُن کی آل اولاد تک اس سے کتنا نفع اُٹھاتے ہیں اور اس کے بل پر کیسے کیسے عیش و آرام کے مزے لوٹتے ہیں، مگر خدا پرستی کے سب سے بڑے علمبردار کا حال اس معاملے میں بھی دُنیا سے مختلف تھا، آپ کی صاحبزادی اپنے گھر کا سارا کام اپنے ہاتھ سے کرتی تھیں جس کی وجہ سے آپ کے ہاتھوں میں گھٹے پڑ گئے تھے اور جسم پر مشکیزہ اٹھانے کے نشانات ہوگئے تھے، ایک دن انھوں نے سنا کہ میدان جنگ سے کچھ غلام اور کنیزیں ابّا جان کی خدمت میں لائی گئی ہیں، خیال کیا کہ میں بھی اپنے لیے ایک آدھ غلام یا کنیز مانگ لاؤں، تشریف لے گئیں، اپنی پریشانی کا حال بیان کیا، ہاتھوں کے گھٹے دکھائے حضورؐ نے فرمایا۔ "بیٹی! میں تمھیں غلام اور کنیز سے اچھی چیز دیتا ہوں، غلام اور باندی، اور مسلمانوں کے حصے میں جانے دو، تم سوتے وقت تینتیس (۳۳) مرتبہ سبحان اللہ، تینتیس (۳۳) مرتبہ الحمد للہ، اور چونتیس (۳۴) مرتبہ اَللہ اکبَر پڑھ لیا کرو!" بے نفسی اور خداپرستی کی کیسی عجیب مثال ہے، بے شک آپ خداپرستوں کے سردار تھے، کیا کوئی پھر بھی آپ کی بے نفسی پر حرف لاسکتا ہے، دوسروں کے حق میں یہ فیاضی اور اپنے اور اپنی اولاد کے لئے فقر و غربت کو ترجیح

دینا پیغمبر ہی کی شان ہے ؂

عدیل ہمت ساقیست فطرت عرفی
کہ حاتم دگراں و گدائے خویشتن است

خدا پرستی کے سب سے بڑے علم بردار کا کردار

آج ایسے لوگ آپ کے سامنے ہیں جنھوں نے پچھلے کچھ دنوں میں چندروز یا چند سال جیلیں کاٹ لی ہیں تو آج اقتدار حاصل ہونے پر ان تکلیفوں کا سارا حساب مع سود کے چکا لینے کے درپے ہیں، جب کسی شخص کو اقتدار اور قانون کی طاقت مل جاتی ہے تو عموماً وہ اپنی اولاد اور اپنے اعزا کو قانون کی گرفت سے بچانے کی سعی کرتا ہے، مگر خدا پرستوں کے سردار کی شان اس معاملہ میں بھی بالکل نرالی تھی، ایک عورت پر چوری کا جرم ثابت ہوا، آپ نے ہاتھ کاٹ دینے کا حکم دے دیا، لوگوں نے حضورؐ کے بہت محبوب اور مقرّب صحابی سے سفارش کرائی کہ معاف فرما دیا جائے، حضورؐ کا چہرہ غصّہ سے سرخ ہو گیا، اور فرمایا:۔ "خدا کی قسم! اگر محمدؐ کی لاڈلی بیٹی فاطمہؓ سے بھی یہ جرم سرزد ہو جائے تو محمدؐ اس کا بھی ہاتھ کاٹے گا۔"

اپنے آخری حج کے موقع پر مسلمانوں کے عظیم ترین اجتماع میں آپ نے کچھ قوانین اور احکام کا اعلان عام فرمایا تو ان کو سب سے پہلے اپنے رشتہ داروں اور

اپنے خاندان پر جاری کیا۔ آپ نے مجمع عام میں کھڑے ہو کر اعلان فرمایا کہ جاہلیت کے تمام دستور ختم کیے جاتے ہیں، منجملہ ان کے سودی لین دین آج سے ختم، اور سب سے پہلے میں اپنے چچا عباسؓ کے سودی قرضے کو باطل قرار دیتا ہوں، اب ان کا سود کسی پر واجب نہیں، اب وہ سود کا روپیہ کسی سے وصول نہیں کر سکتے۔ یہ تھی خدا پرستی! ورنہ آج کل کے قانون ساز اگر اس قسم کا قانون بنانے والے ہوں تو اپنے رشتہ داروں اور ملنے والوں سے پہلے سے کہہ دیں کہ فلاں قانون آنے والا ہے، ذرا جلدی جلدی اپنی فکر کر لو، زمینداری کے خاتمے کا قانون پاس ہونے والا ہے، جتنی زمین نکال سکتے ہو نکال لو، یا بیچنا چاہو تو بیچ دو، ایسے ہی اس موقع پر آپ نے اعلان فرمایا کہ زمانہ جاہلیت، (یعنی قبل اسلام) کے تمام خون باطل کیے جاتے ہیں، اب ان کا انتقام نہیں لیا جا سکتا، اور اس کے ماتحت میں سب سے پہلے (اپنے خاندان کا خون) ربیعہ بن الحارث کا خون باطل قرار دیتا ہوں، ہمارے حضورؐ اس بے مثال خدا پرستی کے ساتھ (جس کی صرف چند مثالیں میں نے بیان کی ہیں) نفس پرستی کے اس سیلاب سے لڑتے رہے جو دنیا کی ساری قوموں کو بہائے لیے چلا جا رہا تھا اور آخر کار اس کو روکنے میں کامیاب ہوئے۔ اور لوگ مجبور ہوئے کہ آپ کی بات پر کان دھریں، اور مانیں، چنانچہ جن لوگوں نے آپ کی ان تین بنیادی باتوں کو کماحقہ، قبول کر لیا جو خدا پرستی کی زندگی کی بنیاد ہیں، تو پھر ان لاکھوں

کروڑوں انسانوں کی زندگیوں کا رُخ ایک دم ایسا بدلا کہ آج کی دُنیا میں یقین آنا مشکل ہے، کہ کیا ایسے بھی انسان ہوسکتے ہیں!۔ میں مثال کے طور پر ان میں سے چند کا ذکر کرتا ہوں

صدیقی کردار کی جھلکیاں

آپ کی دعوت قبول کرنے والوں میں سے ایک ابوبکر صدیقؓ بھی تھے جو آپ کی وفات کے بعد آپ کے پہلے جانشین، اور اسلامی حکومت کے ذمہ دار بھی ہوئے، آپ کی بے نفسی کا حال یہ تھا کہ گو اسلامی سلطنت کے سب سے بڑے عہدیدار تھے، مگر زندگی اس طرح گزارتے تھے کہ آپ کے گھر والے مُنھ میٹھا تک کرنے کے لیے ترستے تھے، ایک دن اہلیہ نے عرض کیا کہ بچوں کا جی کچھ میٹھا کھانے کو چاہتا ہے تو فرمایا کہ سرکاری خزانہ تو ہمارا مُنھ میٹھا کرنے کا ذمہ دار نہیں ہے، ہاں جو کچھ وہاں سے ہمیں روزانہ ملتا ہے اسی میں سے اگر تم بچا سکو تو بچا لو! اور کچھ میٹھی چیز بنالو چنانچہ انہوں نے روزانہ کے خرچے میں سے تھوڑا تھوڑا بچاکر تھوڑے سے پیسے جمع کرلیے اور ایک دن حضرت ابوبکرؓ کو دیے کہ اس کا کچھ سامان لادیجیے تاکہ آج کچھ میٹھی چیز پکالوں۔ آپ وہ پیسے لیے ہوئے خزانچی کے پاس چلے گئے اور پیسے بیت المال کو واپس کردیے، اور فرمایا، کہ یہ اسی خرچ میں سے ہے جو بیت المال سے

ملتا ہے ، اتنے دنوں میں بچایا ہوا ہے، معلوم ہوا کہ ہمارا کام اس سے کم میں چل سکتا ہے ،لہذا اب ہمیں اتنا کم کرکے دیا جایا کرے۔

فاروقی مساوات

خلیفۂ دوم حضرت عمر فاروقؓ کے دور خلافت میں جب مسلمانوں نے بیت المقدس فتح کیا ، اور حضرت عمرؓ وہاں تشریف لے گئے ساتھ میں ایک غلام تھا لیکن اسلامی حکومت کے اُس سب سے بڑے شخص کے پاس سواری صرف ایک تھی ، تھوڑی دور خود سوار ہوتے تھے، تھوڑی دور غلام کو سوار کرکے خود پیدل چلتے تھے ، جس وقت بیت المقدس میں داخل ہورہے تھے غلام سواری پر تھا ، اور خود پیدل ، اور کپڑوں میں کئی ایک پیوند۔

آپ ہی کے زمانے میں ایک دفعہ سخت قحط پڑا ، تو آپ وہ کھانا کھانا اپنے لیے جائز نہ سمجھتے تھے جو قحط کی وجہ سے عام رعایا کو میسّر نہ تھا۔

حضرت خالدؓ کا اخلاص اور بے نفسی

حضرت خالدؓ جو مسلمان فوجوں کے کمانڈر انچیف تھے ، اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو سیف اللہ (اللہ کی تلوار) کا اعزازی خطاب عنایت

فرمایا تھا، ایسے بے نفس ،اور نفس پرستی سے اس قدر آزاد تھے کہ ایک مرتبہ ان کی کسی غلطی کی بنا پر عین میدان جنگ میں ان کے پاس حضرت عمرؓ کی طرف سے معزولی کا پروانہ پہنچا تو ماتھے پر شکن تک نہ آئی اور کہا، اگر میں اب تک عمرؓ کی خوشنودی کے لیے یا اپنی ناموری کے لیے لڑتا تھا تو اب نہ لڑوں گا، لیکن اگر میں اللہ کے لیے لڑتا تھا تو سپہ سالار کے بجائے ایک معمولی سپاہی کی حیثیت سے بھی بدستور لڑتا رہوں گا، اس کے برعکس اس زمانے کی ایک تازہ مثال آپ کے سامنے میک آرتھر کی ہے جنھیں ٹرومین نے کوریا میں لڑنے والی افواج کی سپہ سالاری سے معزول کردیا تو وہ سخت ناراض ہوئے اور ٹرومین کی صدارت کے درپے ہوگئے۔

اور صرف یہی چند افراد نہیں، بلکہ آپ نے پوری قوم اور سوسائٹی کی اسی اصول پر تربیت کی تھی کہ وہ ایک خدا پرست سوسائٹی ہو، آپ کا ایک اُصول یہ تھا کہ جو کسی عہدے کا طالب ہو اور خواہش مند ہو اس کو عہدہ نہیں دیتے تھے ، ایسی سوسائٹی میں عہدے کے امیدوار بننے اور اپنی تعریف وتوصیف کرنے ،اور حکومت کے لیے ایک دوسرے کا مقابلہ کرنے کی کیا گنجائش تھی، جس جماعت کے سامنے ہروقت قرآن مجید کی یہ آیت رہتی ہو:۔

تلک الدار الآخرۃ نجعلھا للذین لا یریدون علوا فی الارض و لا
فسادا و العاقبۃ للمتقین ط (پارہ ۲۰، القصص ۔۔۔ ۸۳)

یہ آخرت کا گھر ہم ان لوگوں کے لئے مخصوص رکھیں گے جو زمین میں اپنی بلندی نہیں چاہتے، اور نہ فساد پھیلانا چاہتے ہیں اور انجام خدا سے ڈرنے والوں کا ہے۔ جس جماعت کا اس حقیقت پر ایمان ہو، کیا وہ اپنی سربلندی اور فتنہ وفساد کے جرم کا ارتکاب کر سکتی ہے؟

دوستو اور بزرگو! یہ خدا پرستی کی دعوت تھی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دُنیا میں پیش کی تھی، اور نتائج کے لحاظ سے یہ دنیا کی سب سے زیادہ نفع بخش کوشش ہے، کوئی شخص دنیا کی کسی اور دعوت کا نام لے کر نہیں بتلا سکتا کہ اس نے دنیا کو اتنا فائدہ پہنچایا، حالانکہ اس دعوت کے حصہ میں انسانوں کی اتنی کوششیں اور اتنے وسائل نہیں آئے جو عصر حاضر کی معاشی، اقتصادی اور سیاسی تحریکوں کے حصے میں آئے ہیں، مگر پھر بھی ان تمام تحریکوں کے فائدے مل کر بھی اس ایک دعوت کے فائدوں کا دسواں حصہ بھی نہ ہو سکے، آج بھی دنیا سے معاشی اور سیاسی ظلم اور اخلاقی برائیاں جبھی دور ہو سکتی ہیں جب دنیا اس دعوت کو قبول کرلے، لیکن اور کسی کے متعلق کیا کہا جائے جب کہ خود اس دعوت کے علمبردار ہی نفس پرستی میں مبتلا ہوگئے، نفس پرستی تو چوٹ کھائے ہوئے بیٹھی تھی اس نے موقع پاکر خدا پرستی کے علمبرداروں سے خوب انتقام لیا، جس نے اسے شکست دی تھی اور وہ مسلمان جس کا امتیاز تھا:

کنتم خیرامتہ اخرجت للناس تامرون بالمعوف و تنھون

عن المنکر

افسوس! آج اس نفس پرستی کا خود شکار ہے۔

مسلمانو! تم نے بڑا ظلم کیا ہے، تمھارا کام تو خدا پرستی کا نمونہ بننا تھا، اور ساری دنیا کو اس کی دعوت دینا تھی، تم نے نفس پرستی کو اختیار کرکے اپنا بھی نقصان کیا اور ساری دنیا کو بھی مشکلات میں پھنسا دیا، اگر تم اپنا فرض ادا کرتے رہتے تو نہ یہ نفس پرستی دنیا میں دوبارہ غالب ہوتی اور نہ دنیا کا یہ حشر بنتا، آج دنیا کی سب سے بڑی مصیبت نفس پرستی ہے، دنیا کے بڑے بڑے لیڈر اور امن کے علمبردار (ٹرومین، چرچل، اور اسٹالن) سب سے بڑے نفس پرست ہیں، یہ اپنی نفس پرستی میں اور قومی غرور میں (جو نفس پرستی کی ایک ترقی یافتہ اور وسیع شکل ہے) دُنیا کو خاک سیاہ کرنے کے لیے ہر وقت تیار ہیں، ایٹم بم سے زیادہ خطرناک نفس پرستی ہے جس نے دنیا کو تباہ کردیا، لوگوں کو ایٹم بم پر غصہ آتا ہے کہ قیامت برپا کردے گا، میں کہتا ہوں ایٹم بم کا کیا قصور، اصل مجرم تو اس کا بنانے والا ہے اور اس سے بھی پہلے وہ درسگاہیں اور وہ تہذیب ہے جو اس ایٹم بم کو وجود میں لائی ہے، اور اس سب کی جڑ وہ نفس پرستی ہے جس نے اس تہذیب کو جنم دیا ہے۔

ہمارا کام ایک کھلی کتاب ہے

دوستو ! ہماری دعوت اور ہماری تحریک بس یہی ہے، اور اسی مقصد کے لیے ہے کہ نفس پرستی کے خلاف محاذ قائم کیا جائے، خدا پرستی کی زندگی کا طریقہ دنیا میں عام کیا جائے، ہم نے اسی مقصد کے لئے یہ خاص اجتماعات کیے ہیں، اور محض اسی مقصد کے لیے ہفتہ وار اجتماع کرتے ہیں۔ جہاں ہم قوم کے ہر طبقے کو جمع ہونے کی دعوت دیتے ہیں، اوران کے سامنے خدا پرستی کی دعوت کے سب سے بڑے علمبردار حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تعلیمات، ان کے حالات زندگی، اوران کے ساتھیوں کے واقعات پیش کرتے ہیں جو سچی خدا پرستی کا راستہ دکھانے والے ہیں، اور ہمارے یقین کے مطابق انھیں میں انسانیت کی نجات، اور دنیا کی مشکلات کا حل ہے۔ ہمارا کام اور ہماری دعوت ایک کھلی ہوئی کتاب ہے، جس کا جی چاہے پڑھ لے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین O

تقریر (۴)

ضرورت تبلیغ

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

"—— کوئی مسلمان فرد کوئی مسلمان گروہ اگر خالص کاروباری حیثیت اختیار کرلے کہ میں کاروباری ہوں ، میرا کاروبار مقدم ہے ، دنیا کے تقاضے مقدم ہیں ، گھر والوں کے مطالبے مقدم ہیں ، گھر والوں کی ضرورتیں مقدم ہیں ، اسی کو قرآنِ مجید خودکشی کہتا ہے ۔ قرآن اس کو خودکشی نہیں کہتا جس میں موت موہوم ہو ۔ اس کو خودکشی کہتا ہے جس میں حقیقی موت ہو یعنی خودکشی وہ نہیں جس میں موت کا امکان ہے ۔ حقیقی خودکشی وہ نہیں جس میں عارضی جسم ہلاک ہو جاتے ہیں —— خودکشی وہ ہے جس میں روح کو تکلیف ہو جائے جس کو موت نہیں ۔ خودکشی وہ ہے جس میں مقصد فوت ہوجائے —— خودکشی یہ ہے کہ آدمی دعوت کا کام نہ کرے ، آدمی اسلامی زندگی اختیار کرنے کے لئے نہ نکلے اور دین کے لئے ہجرت نہ کرے ——"

(اسی تقریر سے مقتبس)

ضرورتِ تبلیغ

مفکرِ اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی مدظلہ العالی

یہ تقریر حضرت مولانا نے شیفلڈ (انگلستان) میں ۲۸ / جون ۱۹۶۹ء کو بعد عصر کی تھی جس میں انگلستان کے پرانے تبلیغی کارکن موجود تھے۔

خطبۂ مسنونہ کے بعد

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وانفقوا فی سبیل اللہ ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ ط

میرے بھائیو اور دوستو! میں نے آپ کے سامنے ابھی سورۂ بقرہ کی ایک آیت پڑھی ہے اس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے

ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو، اور نیکی کرو، بے شک اللہ تعالیٰ اچھی طرح نیکی کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔ یہ آیت جس کا ٹکڑا بہت سے مسلمانوں کو یاد ہوگا، بہت جگہ اس سے صحیح اور غلط طریقہ پر کام بھی لیا جاتا ہے۔

اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو۔ اس آیت کی صحیح تفسیر اور اس کے نازل ہونے کا موقعہ اور اس کی اصل مراد اس واقعے سے معلوم ہوگی جو میں آپ کو سنانے والا ہوں۔

ایک جلیل القدر صحابی سیدنا ابو ایوب انصاریؓ

ایک مرتبہ مسلمانوں کی ایک فوج جس میں صحابہ کرام بھی تھے، قسطنطنیہ (استنبول) کا محاصرہ کررہی تھی، وہ قسطنطنیہ جو اس وقت خدا کے فضل وکرم سے مسلمانوں کے قبضہ میں ہے۔ مگر اس وقت اس کا فتح ہونا مقدر نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ کو کسی اور زمانے میں، کسی اور سے یہ کام لینا تھا اور اسے اسلام کے قبضے میں آنا تھا اس وقت اس فوج میں بڑے بڑے جلیل القدر صحابہؓ تھے۔ انہیں میں سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے، جن کو صحابیت کے شرف اور دوسرے بڑے بڑے کمالات کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی دولت سے بھی نوازا تھا۔ جس پر قیامت تک مسلمانوں کو رشک آئے گا اور رشک آنا چاہیئے تھا

یعنی کہ جو ساری دنیا کا میزبان تھا۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے ساری دنیا کی ضیافت کرنے، اور اللہ کے خوانِ نعمت سے فائدہ اٹھانے کے لئے مبعوث فرمایا تھا، ان کے میزبان ہونے کا شرف اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابوایوب انصاریؓ کو عطافرمایا یعنی میزبان عالم ان کا مہمان رہا ہے۔ یہ ایسی فضیلت تھی کہ صحابۂ کرامؓ اس کا پاس رکھتے تھے۔ اور ان کو رشک اور احترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے، ان کی ہر بات بڑی توجہ سے سنی جاتی تھی، اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے میزبان ہونے کا مطلب یہی نہیں ہے کہ انہوں نے آپؐ کی ضیافت کی، اور آپ کی میزبانی کا شرف حاصل کیا بلکہ اس کا مطلب یہی ہے کہ ان کو سب سے پہلے زیادہ قرب کا موقعہ ملا۔ اس لئے اسلام کی روح سمجھنے اور اللہ تعالیٰ کے کلام کا منشاء سمجھنے کا ان کو وہ حق بھی تھا جو ہر مسلمان کو ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ ہے کہ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طویل صحبت بھی حاصل ہوئی تھی۔ اسی لئے ذات نبویؐ سے مناسبت اور قربت نے ان کی مؤمنانہ فراست اور ایمانی ذہانت کو جلا بخشی تھی اور انہوں نے بڑے بڑے کارہائے نمایاں انجام دیے تھے، حضرت ابوایوب انصاریؓ بھی اس جہاد میں بہ نفسِ نفیس شریک تھے۔

دورانِ جہاد ایک آدمی کا غلط تفسیر بیان کرنا

اسی دوران میں کہ محاصرہ جاری تھا اور بڑے گھمسان کی لڑائی ہو رہی تھی، یہ دیکھ کر ایک صحابیؓ سر بکف صف سے نکلے اور صفوں کو چیرتے پھاڑتے آخری صف تک جہاں عام طور پر فوج کو لڑانے والے ہوا کرتے ہیں، وہاں تک پہنچ جاتے پھر اسی طریقے سے صفوں کو درہم برہم کرتے ہوئے واپس ہوتے، جیسے کوئی مشاق کھلاڑی اپنے کمالات دکھاتا ہے۔ اسی طرح وہ دور تک دشمنوں کی فوج میں پہنچ جاتے اور پھر چلے آتے دیر تک یہ منظر رہا۔ مسلمانوں کی زبان سے بے اختیار نکلا کہ یہ کام تو صریحاً قرآن مجید کے حکم کے خلاف ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَلا تلقو بايدِ يكم الى التهلكة ۔

یعنی تم اپنی جانوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ یعنی جان بوجھ کر ایسا کام نہ کرو جس سے جان جاتی ہو اور یہ تو ایک طرح کی خودکشی ہوئی، یہ شخص اس طرح کی خودکشی کر رہا ہے اکیلا آدمی اس طرح دشمنوں کے نرغے میں گھس جاتا ہے۔ گویا کہ دشمنوں کے سمندر میں چھلانگ لگاتا ہے۔ یہ اس کو مناسب نہیں، یہ کام جائز نہیں۔

سیدنا ابوایوب انصاریؓ کا، صحیح تفسیر کی طرف متوجہ کرنا

سیدنا ابوایوب انصاریؓ نے اس پر فرمایا کہ دوستو! اس آیت کی تفسیر ہم سے پوچھو، یہ تو ہمارے گھر کی آیت ہے۔ یہ ان آیتوں میں ہے، جس کا تعلق خاص طور پر حضرات انصارؓ سے ہے، صحابہ کرامؓ متوجہ ہوگئے۔ اور تمام مسلمان ہمہ تن گوش بن کر کھڑے ہوگئے کہ دیکھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے میزبان جلیل القدر صحابیؓ قرآن کا بہت علم رکھنے والے اس آیت کی کیا تفسیر بیان کرتے ہیں؟۔

صحابہ کرامؓ کی دینی جدوجہد اور اس کے نتائج

انہوں نے فرمایا کہ اصل میں یہ آیت اس موقعے پر نازل ہوئی کہ جب اسلام مدینہ پہنچا اور گھر کو چھوڑ کر اور سب سے آنکھیں بند کر کے دین کے کام میں ہمہ تن لگ گئے۔ کیسا باغ؟ کہاں کی کھیتی؟ کیسی دکان؟ کیسا مکان؟ کیسی اولاد؟ سب کچھ دین پر قربان تھا، اور ساری پونجی اس پر نثار تھی، بالکل ایک سرفروشی کی حالت تھی جو اسلام کی خدمت کے لئے سب پر چھائی تھی، کسی کو اپنے گھر بار کا ہوش نہ تھا۔ اس ایثار قربانی کا اس ظاہری دنیا میں جو قدرتی نتیجہ ہوا کرتا ہے، اور جو قانون خداوندی اور قانون تکوینی ہے، وہ ہوا۔ ہماری تجارت کے دیوالیے نکل

گئے، ہمارے باغات ویران ہوگئے، ہماری کھیتیاں برباد ہو گئیں غرض یہ ہے کہ ہمارے کاروبار اس سے متاثر ہوئے، لیکن اسلام گھر گھر پھیلنے لگا، اور جیسے نور پھیلتا ہے، اور بارش ہوتی ہے، اسی طرح اسلام مدینہ میں پھیلنے لگا۔ اب پہلی سی حالت نہ رہی۔ یعنی اتنا تو ابھی نہیں ہوا کہ سارا مدینہ مسلمان ہوجائے، لیکن ہزاروں کی تعداد میں مسلمان ہوگئے۔ بہترے دولتِ ایمان سے مالا مال اور سینکڑوں اس بارانِ رحمت سے نہال ہوگئے۔

دینی جدّوجہد کے دَوران صرف چھٹی کا تصوّر

اس وقت ہمارے دل میں یہ خیال آیا کہ پہلے کی طرح اب اسلام کو اس درجہ ہماری خدمات کی، ہمارے کل اوقات کی، اور ہمارے بالکل تن من دھن سے اس کی خدمت میں لگ جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ احکام حالات کے ساتھ بدلتے ہیں۔ اس وقت یہ حکم تھا کہ کوئی اپنے گھر نہ بیٹھے، کوئی اپنی جان کو، اپنے مال کو اور اپنی اولاد کو اسلام سے زیادہ عزیز نہ سمجھے۔ اور جب ضرورت تھی تو ہم سب کچھ چھوڑکر اسلام کی خدمت کے لئے کود پڑے تھے، اللہ نے ہم کو توفیق دی اور ہم نے ایسا کیا۔ لیکن اب وہ پہلے کی حالت نہیں ہے۔ اب خدا کے فضل وکرم سے سلمانوں کی تعداد میں بہت بڑا اضافہ ہوگیا ہے۔ اب اسلام کے خدمت گزار اور اس

کے سپاہی اور اس کے مبلغ بہت ہیں۔ اس لئے اگر ہم تھوڑے دن کی چھٹی لے لیں تو کیا حرج ہے؟ چھٹی کا قانون تو ہر نظام میں ہوتا ہے۔

بدرجۂ ضرورت عارضی چھٹی کا خیال

یہ بات تو ان حضرات کے ذہن میں وسوسہ کے درجہ میں بھی نہیں آسکتی تھی اور یہ خیال بھی نہیں آسکتا تھا کہ ہم اپنے آپ کو مستقل طور پر سبکدوش کرالیں کہ حضور! اب اسلام کی خدمت کرنے والے بہت ہوگئے ہیں۔ ہم کو آپ چھٹی دے دیجئے تاکہ ہم اپنے گھر جاکر بیٹھیں، اتنے دن ہم نے کام کیا۔ اب دوسرے کام کریں، یہ بات تو ان حضرات کے خواب و خیال میں بھی نہیں آسکتی تھی، صرف اتنا ہی خیال ہوا تھا کہ وقتی طور پر محض عارضی طور کچھ چھٹی لے لیں، آدمی محاذ جنگ سے چھٹی لیا کرتا ہے، اس کو گھر واپس کیا جاتا ہے۔ اسی طریقہ سے ہسپتالوں سے بھی چھٹی دی جاتی ہے۔ اور ایسے بہت سے نازک کام ہیں جہاں کوئی وقت آجاتا ہے کہ آدمی چھٹی لیتا ہے تاکہ ذرا تازہ دم ہوجائے، آرام کرے اور اپنے گھر کے ضروری کام انجام دے آئے۔

چھٹی لینے کا انجام یعنی دوزبردست نقصان

حضرت ابوایوب انصاریؓ فرماتے ہیں کہ ہمارے دل میں صرف یہ خیال آیا کہ ہم تھوڑے دن کے لئے چھٹی لے لیں، بس اس خیال کا آنا تھا کہ یہ آیت نازل ہوئی کہ کیا یہ خطرناک زہریلا خیال تمہارے دل میں آیا؟ کیا یہ شیطانی وسوسہ تمہارے دل میں آیا؟ تم اللہ کے کام سے چھٹی لینا چاہتے ہو۔ جانتے ہو کہ اس کا کیا انجام ہوگا؟ اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟ اس کا نتیجہ جو تم سمجھ رہے ہو وہ نہیں ہے بلکہ تم جو کچھ سمجھ رہے ہو وہ تو ہوجائے گا، یعنی کھیتیاں سرسبز ہوجائیں گی، اور یہ چھوٹی چھوٹی پونجی کی دکانیں جس میں کمی نہ ہو، کسی میں پانچ سو کا سامان ہے برائے نام معمولی سا کاروبار اس میں تمہیں کامیابی ہوجائے گی۔

تمہاری دکانیں جو بالکل بیٹھ گئی ہیں، جس میں خاک اڑنے لگی ہے، وہاں دوچار گاہک نظر آنے لگیں گے، اس میں روزانہ دس بیس درہم کی آمدنی شروع ہوجائے گی۔ تمہارے باغ جو بالکل سوکھ گئے ہیں اس کو پانی دوگے تو وہ ہرے بھرے ہوجائیں گے۔ لیکن اس کے دو نتیجے نکلیں گے ایک کا تعلق تمہاری ذات سے ہے، اور دوسرے کا تعلق پوری کائنات سے ہے۔ جہاں تک تمہاری ذات کے تعلق کا سوال ہے اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہارا نام خدا کے یہاں خدمت گزاروں

کی فہرست سے کٹ جائے گا اور تم بھی انہیں قوم میں شمار کئے جانے لگو گے جن کی قسمت پر مہر لگادی گئی ہے، اور جن کو جانوروں کی فہرست میں لکھ دیا گیا ہے کہ ان کا کام گائے بیل گھوڑے کی طرح کھانا، کمانا اور پیٹ بھرنا ہے اور اس کے بعد حشرات الارض کی طرح زندگی گزار کر دنیا سے چلے جانا ہے۔

آج تمہارا نام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سپاہیوں، ساتھیوں اور جاں نثاروں اور انسانیت کو سرسبز کرنے والوں میں لکھا ہوا ہے، دنیا کے معماروں میں، نیز دنیا میں دوبارہ بہار لانے کے لئے کوشش کرنے والوں میں لکھا ہوا ہے تمہارے لئے حیاتِ نو اور دنیا کی حیات بخشی مقدر ہے کہ تمہارے ہاتھوں پر یہ دنیا جو کہ محض ایک قمارخانہ، محض ایک جانوروں کا اصطبل، محض انسانوں کا قبرستان بن کررہ گئی ہے جہاں ناؤ نوش ہر وقت پینے پلانے اور کھانے کمانے کے سوا کوئی آواز بھی نہیں آتی، اس دنیا کو دوبارہ زندہ کرنا مقدر ہے اس فہرست سے تمہارا نام نکل جائے گا، اور یہ دنیا جو اللہ سے بچھڑ گئی تھی، خدا کو بھول گئی تھی، آج پھر تمہارے ذریعہ سے خدا کی چوکھٹ پر سر جھکانے لگی ہے اور جن کے نام باغیوں میں لکھے ہوئے تھے۔ ان کا شمار اولیاء اللہ میں، عارفوں میں، عبادت گزاروں میں اور علماءِ ربانیین میں، دنیا کے نجات دہندہ لوگوں کی فہرست میں لکھے جانے والے ہیں۔ یہ فیصلہ بدل جائے گا. اگر تم کاروبار میں لگنا چاہتے ہو تو پہلا

نقصان تو اپنا کروگے کہ اس قدسی اور نورانی فہرست سے کٹ کر محض اپنے لئے جینے مرنے والوں میں تمہارا نام لکھ دیا جائے گا۔

دوسرا نتیجہ جو اس سے بھی زیادہ خطرناک ہے، وہ یہ ہے کہ دنیا کے لئے اللہ تعالیٰ نے جو فلاح کا دروازہ کھولا ہے۔ اور یہ کہ دربار ہدایت کا دروازہ کھولا ہے، اور اس دنیا کے متعلق اب اللہ تعالیٰ کی تقدیر کا یہ جو فیصلہ ہے کہ یہ دنیا دوبارہ خدا کو پہچانے، دوبارہ خدا کے راستے پر چلے، دوبارہ خدائے واحد کی بندگی کرے، اور پھر اس دنیا میں آنے والے انسان کو اپنا حقیقی مقام معلوم ہو اور انسان کو اپنی زندگی کا مقصد معلوم ہو، یہ دروازہ بند ہو جائے گا۔

بلندیِ ہمت و نظر یہ سب کچھ دینی جدوجہد کا ثمرہ ہے

ہم چوپائے درندے نہیں اور ہم فرشتے بھی نہیں ہیں بلکہ ہم انسان ہیں۔ ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ اپنی ضروریات زندگی کو بقدر ضرورت مہیا کر کے ہم اللہ تعالیٰ کے کام میں لگیں، اللہ کے دین کو دنیا کے کونے کونے میں پھیلائیں۔ اللہ کے پیغام کو دنیا کے گوشہ گوشہ میں پہنچائیں۔ اگر ہم ایسا نہیں کر سکے تو نقصان یہ ہوگا کہ پورا یہ عالمِ انسانی اور یہ پوری کائنات اس فیض سے محروم رہے گی۔ اور اللہ تعالیٰ ان کو جو نعمت عطا فرمانا چاہتا ہے، اس نعمت، کو روک لے گا۔ لہذا اس فیض سے محرومی

ہلاکت ہے، تمہارے حق میں بھی اور دوسروں کے حق میں بھی، تم دین کو چھوڑ کر اس شاخ پر تیشہ چلاؤ گے جس پر تمہارا آشیانہ ہے تم تو دنیا میں کسی شمار وقطار میں نہیں تھے، اور معلوم نہیں تم کتنی بیماریوں کے شکار ہو سکتے تھے، کتنے دشمنوں کے لقمۂ اجل بن سکتے تھے، لیکن اللہ تعالیٰ نے تم کو ہر موقع پر بچایا، اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کے لئے منتخب فرمایا، اور تمھیں ایسی طاقتیں عطا فرمائیں جو دوسروں کو نہیں ملیں، اور تم میں ایک نیا حوصلہ عطا فرمایا، تمہارے دست وبازو کو نئی طاقت عطا فرمائی، تمہاری ہمتوں کو بلند کیا، اور نگاہوں کو روشن کیا، یہ سب اس اسلام کے طفیل تھا۔

شان نزول کی مختصر تفصیل

اب اگر تم اسلام کی خدمت سے ہاتھ اٹھاتے ہو، تو اپنا بھی نقصان کرو گے، اپنے حق میں خودکشی اور دنیا کے حق میں بہت بڑی ہلاکت اور خسارے کا سامان کرو گے، دنیا ایک رخ پر جاتے جاتے فوراً دوسرے رخ پر پڑجائے گی۔ ابھی اس کا رخ ضلالت سے ہدایت کی طرف، شقاوت سے سعادت کی طرف، ظلمت سے نور کی طرف، جہالت سے علم کی طرف پڑا ہے اور پڑا بھی کہاں ہے؟ پڑنے کی امید پیدا ہوئی ہے۔ لیکن اگر تم اسلام کی خدمت سے ہاتھ اٹھا کر اپنے پیٹ کی سیوا میں، اپنے

اپنے بچوں کی پرورش میں اپنے گھر والوں کی خدمت میں لگ جاؤ گے، اور گویا تم اللہ کی عبادت سے ہٹ کر اپنے نفس کی عبادت میں لگ جاؤ گے تو پھر دنیا پر خیر کا یہ دروازہ بند کر دیا جائے گا۔ یہ ہے تفصیل ان حالات کی جن میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تھی۔

اس آیت کے معنی وسیع اور اس کے نتائج دور رس ہیں۔ یہ آیت کسی ایک انسان کی انفرادی خودکشی کے بارے میں نہیں اتری ہے، کسی ایک فرد کے ہلاکت میں پڑنے کے متعلق نہیں ہے، بلکہ یہ ایک بہت بڑے اہم موقع پر نازل ہوئی تھی، جس کا تعلق پوری نوع انسانی اور اس کے مستقبل سے ہے یعنی وہ لوگ جو دنیا میں ہدایت کا کام کر سکتے ہیں، جس کی وجہ سے دنیا کو نئے حقائق کی طرف توجہ ہو سکتی ہے، نئی منزل کی طرف توجہ ہو سکتی ہے، اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہو سکتی ہے جن کے ذریعہ انسان اپنی موجودہ زندگی پر پشیمان ہو کر سوچتا ہے کہ "ہائے! میں کیا زندگی گزار رہا ہوں، یہ تو جانوروں کی، چڑیوں کی اور چوپایوں کی زندگی ہے۔ کھانا پینا اور بستر پر دراز ہو کر سو رہنا اور پھر اٹھ کر بیل، گھوڑے کی طرح اس کام میں جٹ جانا یہ کوئی انسانی زندگی ہے؟" جو جماعت انسانوں کو چونکائے، اس کی دعوت سے اس کے عمل اور کردار کی تاثیر سے اور اس کی تبلیغی سرگرمیوں کی وجہ سے لوگوں کے دماغوں پر چوٹ پڑے، لوگوں کے دماغوں پر یہ ضرب لگے کہ نہیں نہیں، یہ زندگی

نہیں ہے ۔ اگر اس عمل سے فرار اختیار کرلے تو دنیا والوں کو کون سنبھالا دے سکتا ہے ؟ کون ہو گا جو دنیا والوں کو بلند حقیقت کی طرف متوجہ کرے گا اور ان سے کہے گا کہ اے انسانو ! یہ کیا زندگی ہے؟ عمدہ سے عمدہ پہننا اور آراستہ ہو کر نکلنا زندگی ہے تو یہ مردوں کی زندگی ہے ، اگر خوش آواز اور خوش آہنگی زندگی کا حاصل ہے تو بلبل میں تم سے زیادہ زندگی ہے ۔ اگر دوسروں کا پیٹ کاٹ کر کے ، دوسروں کا خون پی کر کے زندگی گزارنا آدمیت اور مقصد زندگی ہے تو یہ تو شیروں کی زندگی ہے ، اور تیندوے تم سے زیادہ زندگی اور راز آدمیت سے واقف ہیں ۔

میرے دوستو ! اگر ایک شخص ہتھیلی پر سر رکھ کر میدان جنگ میں کودتا ہے تو کبھی ایسا ہوتا ہے کہ وہ زندہ سلامت بچ کر آجاتا ہے ، حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بڑھ کر کس نے اپنے آپ کو جان جوکھوں میں ڈالا ہو گا ۔ خالد سیف اللہ سے بڑھ کر کون موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر لڑا ہو گا ۔ اور ہمیشہ موت کو ہنسی کھیل سمجھا ہو گا ، بتایئے ! اسلام کی تاریخ میں جانبازی کی تاریخ میں سرفروشی کی تاریخ میں ، خالدؓ کا جب انتقال ہونے لگا اور بستر پر طبعی موت آنے لگی ، تو کہنے لگے کہ میری زندگی میں کوئی ایسا موقع نہیں آیا کہ جہاں موت کا امکان ہو ، اور میں نے وہاں اپنے آپ کو پیش نہ کیا ہو ، لیکن خدا کی شان کہ آج میں بستر پر مر رہا ہوں

فَلاناَ مَت اعینَ الجبنا ، فلا نا مَت اَعین الجُبنا ، فلاَ نا مَت اَعین الجُبنا ۔

خدا کرے بزدلوں کی آنکھ چھوئے نہیں، بزدلوں کو نیند نصیب نہ ہو اس لئے کہ مجھ سے بڑھ کر اپنی جان ہلاکت میں ڈالنے والا اور شہادت کی تلاش میں نکلنے والا اور کون ہوگا؟ لیکن خدا آج دکھا رہا ہے کہ میں بیماری کے بستر پر مر رہا ہوں، اور جو لوگ موت سے بھاگتے تھے کتنے دنیا سے رخصت ہوگئے؟ اور وہ اپنے تمام اندازوں کے خلاف اور تمام تیاریوں کے خلاف موت کا نشانہ بن گئے۔

دوستو! خودکشی یہ نہیں ہے کہ آدمی کسی وقت اپنی جان پر کھیل کر کسی وقت اپنے کاروبار کو خطرے میں ڈالدے، کسی وقت دور اندیشوں اور ہوشیار لوگوں کے مشورے کی خلاف ورزی کرے جب لوگ اس کو اس طرح کے مشورے دیں کہ بھائی یہ وقت کاروبار ملتوی کرنے کا نہیں ہے، یہ وقت دکان چھوڑ کر جانے کا نہیں ہے، یہ وقت گھربار چھوڑ کر جانے کا نہیں ہے۔ اس موقع سے فائدہ اٹھانا چاہئیے تو وہ ان لوگوں کے مشورے کے خلاف چل پڑے۔ جو لوگ کسی وقت آنکھوں پر پٹی باندھ لیتے ہیں۔ یا دیکھی ان دیکھی کر دیتے ہیں، وہ خودکشی نہیں کرتے ہیں۔ خودکشی وہ کرتا ہے جو اپنا مقصد زندگی فراموش کر کے اپنے نفس کی پرستش میں لگ جاتا ہے۔ ایک مسلمان فرد، ایک مسلمان جماعت کے لئے خودکشی یہ ہے کہ اپنا حقیقی مقصد بھول کر، اور جو کام اللہ نے اس کے سپرد کیا ہے، ان کو فراموش کردے، اور یہ بھول جائے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اس دنیا میں ایک اہم فرض کی

ادائیگی کے لئے مبعوث کیا ہے

کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف و تنھون

عن المنکر و تو منون باللہ (پارہ ۴، سورہ آل عمران۔۔۔ ۱۱۰)

یعنی تم اس کام کے لئے محض اسی مقصد کے لئے دنیا میں بھیجے گئے ہو، لہذا اگر تم اس کام کو بالائے طاق رکھ دو اور کاروبار میں سر سے پاؤں تک ڈوب جاؤ، اور خالص کاروباری انسان بن جاؤ، بزنس مین بن جاؤ، اور تمہاری سب سے بڑی تعریف یہ ہو کہ تمہارے بارے میں یہ کہا جائے کہ فلاں تو بڑا کاروباری ہے کوئی مسلمان فرد، کوئی مسلمان گروہ اگر خالص کاروباری حیثیت اختیار کرلے کہ میں کاروباری ہوں، میرا کاروبار مقدم ہے، پیٹ مقدم ہے، دنیا کے تقاضے مقدم ہیں، گھروالوں کے مطالبے مقدم ہیں، گھر والوں کی ضرورتیں مقدم ہیں، اسی کو قرآن مجید "خودکشی" کہتا ہے۔ قرآن اس کو "خودکشی" نہیں کہتا جس میں موت موہوم ہو اس کو خودکشی کہتا ہے جس میں حقیقی موت ہو، یقینی خودکشی وہ نہیں جس میں موت کا امکان ہے۔ خودکشی وہ ہے جس میں موت یقینی ہے۔ حقیقی خودکشی وہ نہیں ہے جس میں یہ عارضی جسم ہلاک ہوجائے، بیمار ہوجائے، تکلیف اٹھائے جس کو ایک دن مرنا ہے، جس کی حیات عارضی ہے خودکشی وہ ہے، جس میں اس روح کو تکلیف ہوجائے جس کو موت نہیں۔ خودکشی وہ ہے جس میں وہ مقصد فوت

ہو جائے جو سرمایہ تھا، جو اثاثہ تھا، جو پونجی لے کر نکلے تھے وہ ڈوب جائے، یہ ہے کاروباری ذہنیت کے خلاف اور پونجی سلامت رہے اور آج کا نفع نہ ملے یہ کاروباری ذہنیت کے خلاف نہیں، حقیقی کاروبار وہ ہے جو اپنی پونجی سلامت رکھ کر نئے نئے تجربے کرے۔ خودکشی یہ ہے کہ آدمی دعوت کا کام نہ کرے آدمی اسلامی زندگی اختیار کرنے کے لئے نہ نکلے۔ اور دین کے لئے ہجرت نہ کرے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ سے ہجرت فرمائی اس کے بعد بہت سے لوگ بلکہ بہت سے صحابیؓ بیٹھے رہ گئے، کمزور تھے، اور بہت سے کمزور نہیں تھے، مگر انہوں نے وقت کی نزاکت کو محسوس نہیں کیا اور ہجرت نہیں کی، اور بہت سے وہ تھے جنہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یا بعد میں مدینہ طیبہ کی ہجرت کی انہوں نے کیا فتوحات حاصل کیں، اور مراتب حاصل کئے، وہ ان سے کہیں زیادہ تھیں جنہوں نے ہجرت نہیں کی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

والسبقون الاولون من المهجرين والانصار والذين اتبعوهم باحسان رضي الله عنهم ورضوا عنه (پارہ ۱۱، سورہ توبہ۔۔۔۔ ۱۰۰)

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

لايستوي منكم من انفق من قبل الفتح وقاتل اولئك اعظم درجه من الذين انفقوا من بعدو قاتلوا ط (پارہ ۲۷، الحدید۔۔۔۔)

وہ لوگ جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے خرچ کیا، اور اللہ کی راہ میں جان کی بازیاں لگائیں، اور جنہوں نے بعد میں جان کی بازی لگائی، برابر نہیں ہوسکتے۔

خودکشی کیا ہے

غرض یہ ہے کہ حقیقی خودکشی یہ ہے کہ انسان اپنے حقیقی فائدے سے اپنی آنکھیں بند کرلے، اوراپنے حقیقی فائدے کو خطرے میں ڈالے ۔ فائدے کو یقینی طورپر خطرے میں ڈالدینا، اور ہمیشہ کےلئے تلف کردینا، اور ہمیشہ کےلئے اس سے محروم ہوجانا یقینی خودکشی ہے اوراپنے کو واقعی نقصان پہنچانا ہے۔

حکمتِ روح

اب میں آپ حضرات سے عرض کرنا چاہتا ہوں کہ آیئے ۔ ہم اورآپ موجودہ حالات کا جائزہ لیں ۔ جہاں اس وقت ہم بیٹھے ہوئے ہیں، یہ یورپ کی سرزمین ہے، جہاں اللہ تعالیٰ نے محض اتفاقیہ طورپر نہیں بلکہ اپنی حکمتِ بالغہ کے تحت ہم کو پہنچادیا ہے، حالات کچھ بھی ہوں، اسباب کچھ بھی ہوں وہ اسباب سیاسی ہوں یا اقتصادی، اس کا تعلق ہندوستان کے ملک سے نکل جانے سے ہو یا یورپ کے عام حالات سے ہو، بہرحال اللہ تعالیٰ کی حکمت تھی اور بہت بڑی رحمت بھی

تھی کہ اس کے کلمہ گو انسانوں کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن سے وابستہ انسانوں کو اگرچہ ہزار خرابیاں ان کے اندر تھیں، ہزار نقائص تھے، میں نے مانا کہ وہ صفائی میں کم، سلیقے میں کم، وہ مستعدی میں کم، وہ علم میں کم، وہ حسن و جمال میں کم، وہ ذہانت میں کم، اور اس سے بھی زیادہ جو بھی نقائص اور کمی ہو سکتی ہے وہ میں ماننے کے لئے تیار ہوں، لیکن اللہ تعالیٰ نے ایک امتیاز، ایک جوہر ان کو ایسا عطا فرمایا جس سے یورپ کی یہ گوری قومیں، جنہوں نے دنیا میں، ڈیڑھ سو، دو سو برس تک اپنی حکومتوں کا ڈنکا بجایا ہے، اور جس کا مشرق ومغرب میں طوطی بولا ہے، اور جنہوں نے فضاؤں میں اڑ کر اور پانی پر چل کر دکھایا ہے اور جو چاند پر قدم جمانا چاہتے ہیں، لیکن ان کا دامن جس گوہر نایاب سے خالی ہے وہ کیا ہے؟ وہ ایمان کا جوہر ہے، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کا جوہر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ حضرات کو اس سرزمین پر پہنچایا ہے۔ اب میں آپ کو صاف کہتا ہوں کہ آپ کے لئے خود کشی کیا ہے؟ اور آپ کا اپنے اوپر احسان کیا ہے؟ ان دونوں باتوں کو اچھی طرح سمجھ لیجئے۔ بس آج کی بات یہی ہے کہ سارے فیصلے کا انحصار بھی اسی پر ہے۔ آپ کے لئے تباہی کا راستہ کیا ہے، اور آپ کے لئے سرسبزی اور فروغ کا راستہ کیا ہے؟ آپ کے لئے تنزل کا راستہ کیا ہے، آپ کے لئے ہلاکت اور خطرے کا راستہ کیا ہے، اور آپ کی حفاظت

وضمانت کا راستہ کیا ہے؟ یہ مجھ سے سنیے اور صاف صاف سنیے۔

آپ کو اللہ تعالیٰ نے اس ملک میں بھیجا ہے۔ اگر آپ یہاں صرف کاروبار میں مصروف رہے آپ کی ساری ذہانت اور محبّت اور ساری تگ ودو اسی پر صرف ہوتی رہی کہ ہم نے یہاں آکر کیا کمایا، ہم وہاں سے لے کر کیا آئے تھے اور اب یہاں ہم کس حیثیت کے آدمی ہوگئے، ہماری پوزیشن کیسی ہوگئی ہم نے بینک میں کیا جمع کیا۔ ہم نے اپنے ملک میں کیا بھیجا، وہاں دیہات میں کچا مکان چھوڑکر آئے تھے وہ پکی حویلی بن گئی یا نہیں، ہم نے اپنے بچوں کو یہاں تعلیم یافتہ بنایا، ان کو کسی کاروبار میں لگایا یا نہیں؟ ہم نے اگر اپنے آپ کو اس پیمانہ پر تولا تو یاد رکھیئے، یہ ایک اجتماعی اور عمومی خود کشی ہوگی، ایک فرد کی خود کشی ہوتی ہے اور ایک قوم کی خود کشی، فرد کی خود کشی فرد کے لئے ہوتی ہے اور قوم کی خود کشی، فرد کی خود کشی سے خطرناک ہوتی ہے۔ اور قوم کی خود کشی پوری باعث ہلاکت ہوتی ہے، جس کے لئے اس کائنات میں کوئی جگہ نہیں۔ یوں لوگ غلطیاں کرتے ہیں، اپنی موت بھی مرجاتے ہیں، زہر بھی پی لیتے ہیں۔ سمندر میں چھلانگ بھی لگادیتے ہیں چھتوں پر سے کود بھی جاتے ہیں اس لئے دنیا کے لیل ونہار میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ لیکن جب کوئی قوم خود کشی پر آمادہ ہوجاتی ہے، اور وہ فیصلہ کرلیتی ہے کہ ہمیں صحیح راستہ چھوڑنا ہے۔ ہمیں ظلم وزیادتی کا، گناہوں اور سرکشی کا راستہ اختیار کرنا ہے

ہمیں اپنے لئے کانٹے بونے ہیں تو پھر اس پر رحم کھانے والا نہیں ہوتا اور اس کی کوئی جگہ نہیں ہوتی، نہ اس پر آسمان روتا ہے اور نہ زمین آنسو بہاتی ہے۔

میرے دوستو! آپ کے لئے دو راستے ہیں۔ ایک راستہ تو یہ ہے کہ آپ خالص کاروباری رہیں۔ اور صبح سے شام تک اسی فکر میں رہیں۔ کل میں مسجد میں عصر و مغرب کے درمیان بیٹھا ہوا تھا، میرے کانوں میں مسلسل آوازیں آرہی تھیں۔ کوئی کہہ رہا تھا کہ ہم اس حالت میں آئے تھے۔ وہ پورا اپنے کاروبار کی داستان سناتے رہے۔ یہ چھوٹا سا نمونہ تھا جو میرے سامنے ایک مسجد میں. جمعہ کے دن عصر و مغرب کے درمیان میں پیش آیا۔ تو جب ہمارا زیادہ سے زیادہ وقت جو دعا کی قبولیت کا وقت ہوتا ہے، جو انوار الٰہی کے برسنے اور ملاء اعلیٰ کے متوجہ ہونے کا وقت ہوتا ہے، اس میں جب ہمارا موضوع یہ ہو تو مسجد سے باہر کیا ہوتا ہوگا؟ اس کا آپ اندازہ کر سکتے ہیں اگر انگریز پانچ منٹ محنت کرتا ہے تو ہم سات دن محنت کرلیں گے۔ اگر انگریز انسان کی طرح محنت کرتا ہے تو ہم گھوڑے کی طرح محنت کریں گے۔ اگر انگریز کھاتا پیتا اور تفریح کرتا ہے ہم تفریح کو اپنے ملک میں چھوڑ آئے ہیں، اکٹھا تفریح کرلیں گے۔ اگر انگریز صحت کا خیال رکھتا ہے تو ہمیں صحت سے کیا غرض؟ پیسہ اصل چیز ہے۔ اگر انگریز سلیقے سے کماتا ہے تو کمانے کا مزہ بھی اٹھاتا ہے، تو ہمیں اس سے مطلب نہیں، ہمیں تو بس پیسہ چاہیئے۔ ہمیں تو یہ ہے کہ

کتنے دن میں کتنی دولت کمائی۔

میرے دوستو! اگر یہ آپ کی ذہنیت ہے تو آپ اس ملک پر دھبہ ہیں، اور اس سے بڑھ کر آپ اسلام پر دھبہ ہیں اس لئے کہ آپ اسلام کے لئے دروازہ ہیں فرض کیجئے میں چھوٹی سی مثال آپ کو دیتا ہوں، اور وہ یہ ہے کہ خدا نخواستہ یہاں مسلمان نہ آتے، اور خالص کاروباری اور پیٹ پالنے والی زندگی کا نمونہ پیش کرتے اور مسلمانوں کے مکانات کے بارے میں ان کے جو تاثرات ہیں وہ نہ ہوتے، اور یہاں اسلام کی عمدہ عمدہ کتابیں پہنچتیں، اور اسلام کی تبلیغ ہوتی، اور کوئی اللہ کا بندہ موثر طریقے پہ انگریزی زبان میں قرآن شریف اور سیرت نبویؐ کو پیش کرتا تو ہوسکتا ہے کہ انگریز کہتا کہ جس پاک نبیؐ کی یہ سیرت ہے، معلوم نہیں اس کی امت کا کیا حال ہوگا؟ کیسے اس کے اخلاق ہوں گے؟ کیا اس کی زندگی ہوگی؟ وہ تو بس مقدس انسان ہوں گے؟ اور وہ تو دنیا سے بالاتر انسان ہوں گے، اور وہ ہر چیز میں نمونہ ہوں گے۔ آئڈیل اور معیاری ہوں گے، اور ان کی ہر چیز سیرت نبویؐ کے سانچے میں ڈھلی ہوئی نکلتی ہوگی۔ کیسے صاف ستھرے لوگ ہوں گے۔ کیسے فرض شناس لوگ ہوں گے۔ کیسے صادق الوعد اور صادق القول ہوں گے، ان کی زندگی میں کتنا اعتدال ہوگا؟ کتنا حقوق اللہ اور حقوق العباد کا خیال ہوگا؟ غرض بہت اونچا تصور ہوتا۔ ہوسکتا ہے یہاں سے انگریز جاتے اور مسلمانوں کی زندگی کا مطالعہ

کرتے، کسی اچھے ماحول میں پہنچ جاتے، یا نہ پہنچتے، خود قرآن سے متاثر ہوکر اسلام قبول کرتے۔ لیکن اب بتائیے! ہم نے اگر اسلامی زندگی کا اچھا نمونہ پیش نہ کیا اور ہم نے اسلام کو صحیح رنگ میں پیش نہ کیا، اور اسلام کا کام نہ کیا، اور ہم نے اس میں یہ نمونہ اور نظیر نہ قائم کی، کہ مسلمان کے لئے ہدایت کی کوشش اور اللہ کو پالینے کی کوشش مقدم ہے اس کے بعد ان کی دوسری کوششیں ہیں۔ پہلے ہدایت پانا اور دنیا کو ہدایت دینا، ہدایت سے آشنا کرنا، اس کے بعد کھانا، بیوی بچے اور گھر بار اور وطن ہے۔ اگر ہم نے یہ نمونہ پیش نہ کیا، تو بتائیے کہ ہم نے اپنی ذات پر اور انسانیت پر ظلم کیا یا نہیں؟

اب آپ حضرات یہاں ہیں۔ آپ کے لئے میں اس کو خودکشی کہوں گا۔ اس کے بعد آپ مجھے معاف کریں، میں ایسا بھیانک لفظ بول رہا ہوں کہ جس کے تصور سے بھی مسلمان کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں "حرام موت"؟ کون حرام موت کے لئے تیار ہوتا ہے؟ ہزار ہا پھانسی کے تختے پر چڑھ جانا، ہزار بار تکلیف میں ایڑیاں رگڑ کر مرنا خودکشی سے بہتر ہے۔ میں بار بار خودکشی کہہ رہا ہوں، کیا میرا ذوق اس کو قبول کرتا ہے؟ کیا یہ اچھا معلوم ہوتا ہے؟ مگر کیا کروں قرآن شریف کا خود ارشاد ہے۔ ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکہ اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو۔ اسی کا نام خودکشی ہے۔ خودکشی کے معنی خود اپنے گلے میں پھندا ڈال کر خود موت کا

سامان اختیار کرنا یہی قرآن شریف کہہ رہا ہے۔

لہٰذا اگر آپ یہاں اس طرح رہے جیسے غیر مسلم رہتے یا بنیے رہتے ہیں، سمیٹنے اور عیش کی فکر رہتی ہے اور اس طرح رہے کہ اصل تو کاروبار اور دولت ہے ۲۴ گھنٹے فرصت نہیں، ہر لمحہ اسی کا استغراق یعنی نفع اندوزی کا استغراق تجارت کا استغراق، اس میں آپ مدہوش رہے، آپ کو اپنی زندگی بنانے کی فرصت نہیں آپ کو اللہ کے اور شریعت کے احکام معلوم کرنے کی فرصت نہیں، حلال وحرام کا فرق معلوم کرنے کی فرصت نہیں، اللہ کے اچھے بندوں کی پاس بیٹھنے کی فرصت نہیں، اس طرف رخ کرنے کی فکر نہیں، جہاں دین کا بازار لگا ہوا ہے۔ جیسے ہندوستان، پاکستان اور ممالک اسلامیہ کے دینی مراکز وہاں جانے کی اور وہاں سے اپنی اصلاح کراکے آنے کی، اور دین کے سبق سیکھنے کی فرصت نہیں۔ بھائیو! یہ خودکشی ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی ضمانت نہیں، اس ملک میں کل کیا ہوگا۔ کوئی کہہ سکتا ؟ میں بہت ڈرتا ہوں کہ کوئی بدفالی، بدشگونی کی بات کروں۔ میری دلی تمنا ہے کہ اس ملک میں جتنے مسلمان ہیں وہ عزت وحفاظت کے ساتھ رہیں اور مسلمانوں کی آمد کا سلسلہ برابر جاری رہے۔ یہاں تک کہ یہاں مسلمانوں کی ایک بہت بڑی آبادی قائم ہوجائے۔ میں اس کی دل سے دعا کرتا ہوں اور یہاں آکر بہت خوش ہورہا ہوں کہ دیکھیے ان گھروں میں پہلے کیا ہوتا تھا۔ اس عمارت میں

پہلے کس کا نام لیا جاتا تھا۔ آج اس میں اللہ کا نام لیا جاتا ہے۔

میں ابھی خطبۂ مسنونہ پڑھ رہا تھا۔ اور دل باغ باغ ہو رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ سعادت مجھے بھی دی ہے مگر آج سے بیس (۲۰) سال پہلے کوئی میرا نام لے کر کہتا کہ ایک وقت آئے گا تو انگلستان جاکر گرجے میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لے گا اور کہے گا " اشہدان محمداً عبدہ ورسولہ "۔ رسولہ سے بھی چوٹ پڑتی ہے مسیحیت پر، وہ بھی کہیں میدان میں نہیں، کسی اسٹیج پر نہیں، بی بی سی ریڈیو پر نہیں، بلکہ خالص گرجے میں جاکر اشہدان محمداً عبدہ ورسولہ کی صدا بلند کروگے تو بھائی مجھے یقین نہ آتا، اب دیکھئے یہ جماعت کی برکت ہے، یہ تھوڑے سے دینی کام ہونے کی برکت ہے کہ آج گرجے اللہ کی عبادت کے مرکز بن رہے ہیں۔ توحید کا یہ چوتھا گرجا ہوگا جس میں خطبہ مسنونہ پڑھنے اور اللہ کا پیغام پہنچانے کی توفیق ہو رہی ہے۔

دوستو! آپ کی حفاظت کا راستہ صرف یہ ہے کہ آپ یہاں اللہ کا نام بلند کریں، اللہ کا نام بلند کرنے کے لئے ہندوستان و پاکستان میں مسلمانوں کو جتنی کوشش کرنی پڑ رہی ہے، اس سے زیادہ آپ کو کوشش کرنی پڑے گی، جب آپ محفوظ رہ سکیں گے، اس لئے کہ وہاں تو اسلام خدا کے فضل و کرم سے ایک ہزار برس گزار چکا ہے، وہاں پر اسلام کا ستون نصب ہے، وہاں تو اسلام کی جڑیں

پاتال تک پہنچ چکی ہیں، وہاں تو مسجدوں کے منارے اور مدرسوں کے گنبد آسمان سے باتیں کررہے ہیں۔ وہاں تو قال اللہ اور قال الرسولؐ سے فضائیں گونج رہی ہیں وہاں تو ان شاء اللہ اسلام محفوظ ہے۔ لیکن آج یہاں اسلام تازہ تازہ آیا ہے اور آپ کے ذریعہ سے آرہا ہے۔ یہاں کی فضا آپ کے ذریعہ سے کلمہ توحید اور کلمۂ شہادت سے آشنا ہورہی ہے۔ اگر تم سے چوک ہوئی اور تم نے کاروبار میں زیادہ وقت لگایا اور تم نے اصل مقصد کو فوت کردیا تو اس کی سزا تمہیں بھی بھگتنی پڑے گی اور ضمنی طور پر اس ملک کو بھی اٹھانی پڑے گی اور پھر سارے مسلمان، بلکہ ساری دنیا کا یہ نقصان ہوگا کہ اسلام کی ہدایت کادروازہ یہاں کھلتے کھلتے بند ہوگیا اور آپ کے کاروبار کی حفاظت اس میں ہے کہ آپ یہاں اپنی صلاحیت ثابت کریں۔ اور اللہ تعالیٰ کے یہاں اپنی اہلیت ثابت کریں۔

اس موقع پر آپ کو خاص واقعہ یاد دلاتا ہوں۔ میدانِ بدر میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھ لیاکہ جہاں تک ہتھیاروں کا تعلق ہے، قوتِ بازو کا تعلق ہے، مسلمانوں کی فتح کا کوئی امکان نہیں بلکہ مسلمانوں کی شکست یقینی اور کفار کی فتح یقینی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ تو کیا، معمولی جرنیل، اور فوجی افسر بھی فوجی طاقت کااندازہ کر لیتا ہے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ جن کا سینہ اللہ نے کھول دیا تھا۔ الم نشرح لک صدرکَ۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے سب سے زیادہ سلیم

الفطرت اور سلیم الذہن پیدا کیا تھا آپ کو کیسے اس بات میں شبہ ہو سکتا ہے۔ فوراً آپ کی بصیرت نے دیکھ لیا، اور نگاہ نبوت نے سمجھ لیا کہ ظاہری آثار کیا ہیں پھر آپ نے کیا کیا؟ آپؐ زمین پر سر رکھ کر سجدے میں پڑ گئے اور فرمانے لگے: اے اللہ! میں اس چھوٹی سی مٹھی بھر جماعت کے بارے میں کچھ کہنا نہیں چاہتا، یہ کیا کرے گی، اس کے پاس ہے ہی کیا، یہ نہتی، بے دست و پا جماعت، یہ کنگال جماعت جو گھر میں بھی اپنے بچوں اور گھر والوں کے لئے خالی چولھے چھوڑ کر آئی ہے، جس کے پاس تلوار نہیں تلوار ہے تو نیام نہیں۔ جس کے پاس دو گھوڑے ہیں اور چند اونٹ، میں کس منھ سے کہوں کہ یہ فتح کی مستحق ہے؟ لیکن ایک بات کہتا ہوں، انہوں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ جب تک رہیں گے توحید کی منادی کرتے رہیں گے، اب تجھے اختیار ہے کہ ان کو ختم کر کے اس کا دروازہ بند کر دے اس کا امکان ختم کر دے، یا اس کو باقی رکھ کر اس کا سلسلہ باقی رکھ۔

اللهمَّ ان تهلک هذه العصابة لم تعبد فی الارض قط

اے اللہ! اگر تو اس مٹھی بھر جماعت کو ہلاک کر دے گا تو تیری پرستش نہیں ہوگی یہ معمولی آدمی کے کہنے کی بات تھوڑی تھی، اس کے لئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اعتماد چاہئے تھا اور اس قوم کی صلاحیت بھی چاہیئے تھی کہ اس کے اخلاص کے متعلق پورا اطمینان تھا کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں یہ اس کی پوری تصدیق

کریں گے اے اللہ ! اگر تو اس مٹھی بھر جماعت کی ہلاکت کا فیصلہ کرتا ہے کہ ان بھیڑیوں کے دانتوں میں ان کے سر اور منھ ہوں تو میں کچھ نہیں کہتا، صرف ایک بات کہتا ہوں کہ پھر تیری حقیقی عبادت دنیا میں نہیں ہوگی اس لئے کہ یہی وہ لوگ ہیں جو اس کا فیصلہ کرکے آئے ہیں۔

قیامت تک کی ضمانت

پھر کیا ہوا ؟ میدان بدر میں ہر قسم کے قرائن، آثار اور توقعات، اندازے اور حسابات کے خلاف مسلمانوں کو فتح ہوئی، اس کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے ضمانت لی، قیامت تک قائم رہنے والی ضمانت، کہ اگر یہ رہتے ہیں تو تیرا ہی کام کرتے رہیں گے اور جب اللہ نے فتح دی تو گویا یہ بات مان لی گئی کہ یہ جب تک رہیں گے اللہ ہی کا کام کریں گے۔

ہدایت ونور نبوت سے محروم سرزمین

دوستو ! یہاں یورپ میں بھی تم یہ فیصلہ کرتے ہو کہ زندگی کا اچھا نمونہ پیش کروگے، یہاں تبلیغ کے لئے وقت نکالوگے اس قسم کی ہدایت کے لئے اور اپنی سرگرمی سے، اپنی فکر اور دھن سے، تو ان شاء اللہ اس ملک میں اسلام کو مضبوط

کروگے اوراللہ تعالیٰ تمھارے کاروبار کی حفاظت کرے گا، تمھارا مستقبل محفوظ اور یقینی ہے اور اگر یہ نہیں ہے تو بھائیو ! ایسے کاروبار میں تو ہندوستان کے مارواڑی اور پاکستان کی بہت سی برادریاں تم سے بڑھی ہوئی ہیں پھر تمھاری کیا خصوصیت ہے؟ یہاں تم نے کون سا ایسا تیر مار دیا ہے اور ایسے چار چاند لگادیئے ہیں ، یہاں تو تمھاری جو کچھ خصوصیت ہے، قابلیت ہے وہ یہ کہ تم اس ملک میں جس کی زمین ہدایت کے لئے پیاسی ہے جس کے آسمان ہدایت کے لئے پیاسے ہیں ، جس کی فضائیں اذانوں کے لئے پیاسی ہیں وہاں پر تم یہ عہد کروکہ ہم ان شاء اللہ یہاں اسلام کو پھیلائیں گے ، چمکائیں گے، اپنی زندگی سے بھی ، اپنی تبلیغی سرگرمیوں سے بھی اور ان شاء اللہ یہاں سچے پکے مسلمان بن کر اسلام کا جھنڈا بلند کریں گے۔

فرصت کو غنیمت جانیئے

دوستو ! مجھے یہی کہنا ہے کہ اللہ کے لئے وقت نکالنے میں پس وپیش نہ کیجئے اس لئے کہ اسی میں تمھاری اور تمھارے مال اور مستقبل کی حفاظت ہے، ورنہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فلایامن مکراللہ الاالقوم الخاسرون، خدا کی مخفی تدبیروں کو کوئی نہیں جانتا اور جن کی قسمت میں نقصان اٹھانا لکھا ہے وہی اللہ کی مخفی تدبیروں سے

کالے لوگوں کو نکالیں، خدا جانے کون سا مسئلہ کھڑا ہو جائے اس وقت تم دیکھتے رہ جاؤ گے اور جہاز بھر بھر کر تم کو بھیج دیا جائے گا۔

آثار سے مآل کا اندازہ کیجئے

آج دل تمھاری طرف ہیں تمھارا خیر مقدم کر رہے ہیں تمھاری ضرورت محسوس کر رہے ہیں کل تمھارے خلاف باغی ہو جائیں گے اور اس کے آثار شروع ہو گئے ہیں، جب اللہ تعالیٰ تنبیہ کرنا چاہتے ہیں تو ایسے موقع پر ایسے آدمیوں کو کھڑا کر دیتے ہیں جو تمھاری دشمنی کا نعرہ لگاتے ہیں تاکہ تمھاری آنکھیں کھل جائیں کہ افق پر دیکھ لو کہ کیا ہونے والا ہے؟ بادل اٹھ رہے ہیں بجلی چمک رہی ہے، پانی برسنے والا ہے اپنی چھتوں کو ٹھیک کر لو برسات کا موسم آگیا ہے۔

بار نہیں ابر باراں بنو

میرے یورپ کے دوستو! برسات کا موسم آگیا ہے اپنی چھتوں کے سوراخوں کو بند کر لو، برسات میں تمھیں موقع نہیں ملے گا، ہر ملک کی ایک برسات ہوتی ہے، برما کی برسات آگئی، یورپ کی برسات آنے سے پہلے پہلے تیاری کر لو اور یہاں اپنا استحقاق اور اللہ کے یہاں اپنی صلاحیت ثابت کر دو کہ تم رہو گے تو

اسلام رہے گا ان شاء اللہ اللہ تعالیٰ تمھیں محفوظ رکھے گا، اور رخ ایسا نکلے گا کہ یہ بھی دیکھتے رہ جائیں گے اور یہی تمھاری خوشامد کریں گے کہ تم رہو" القلب بين اصبعي الرحمن " انسان کا دل رحمٰن کی دو انگلیوں کے درمیان ہے اس لئے دل کو بدلتے دیر نہیں لگتی دل کو اپنی طرف متوجہ کرنے کا سامان کرو اور وہ سامان یہ ہے کہ اپنی افادیت ثابت کرو۔ اپنی افادیت سے تم مفید ہو، اس سرزمین پر بار نہیں ہو تم اس سرزمین پر اللہ کی رحمت ہو، پھر ان شاء اللہ کوئی خطرے کی بات نہیں۔

یہ میں نے بہت دنوں تک کی بات کہہ دی، عمل کرنا تمھارا کام ہے، میری دعا ہے کہ اللہ تمھیں بھی اور مجھے بھی ان لمحات سے نفع پہنچائے

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

(ماخوذ از "کیا تبلیغی کام ضروری ہے؟" صفحہ ۱۶۹ تا صفحہ ۲۰۰)

تقریر (۵)

امت کا وجود غزوۂ بدر کا صدقہ ہے

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

——— اس امت کی بقاء کی ضمانت صرف یہ ہے کہ یہ امت وہ ہے جس کی وجہ سے عبادت کا رواج رہے گا، یہ امت خود تیری عبادت کرے گی تیرے احکام پر چلے گی اور دنیا کو ان احکام کی طرف بلائے گی دعوت دے گی۔ تو آپ سمجھ لیجیے کہ جب کسی شرط پر، کسی بات پر کسی پیشین گوئی پر کوئی نتیجہ ظاہر ہوتا ہے۔ پھر کیسا نتیجہ اور اس کا ذریعہ کون ہے۔ اللہ تعالیٰ فتح دینے والے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی فتح چاہنے والے نصرت چاہنے والے اور اس کے درمیان ایک شرط، ایک صفت حضور نے بیان کی جن سے بڑھ کر خدا کے جلال و کمال سے خائف اور اس پر ایمان رکھنے والا نہیں ہو سکتا، آپ سے بڑھ کر ادب شناس نہیں ہو سکتا، آپ سے بڑھ کر کوئی اللہ تعالیٰ کے جلال اور اللہ تعالیٰ کی شانِ استغناء سے واقف نہیں ہو سکتا، لیکن ان سب کے باوجود میں سمجھتا ہوں کہ یہ کلمہ آپ کی زبان سے نہیں نکلا بلکہ یہ کلمہ بھی الہامی تھا۔ اللہ نے آپ کی زبان سے کہلوایا اور اس پر فتح دی تاکہ قیامت تک کے لئے یہ بات بالکل طے شدہ اصول بن جائے۔"

(اسی تقریر کا ایک اقتباس)

امت کا وجود غزوۂ بدر کا صدقہ ہے

اور
اس بات کی ضمانت کہ یہ دین قیامت تک باقی رہے گا

مفکر اسلام حضرت مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی مدظلہ و العالی

ندوہ میں تبلیغی اجتماع کے موقع پر ۴ / اکتوبر ۱۹۹۵ء کو بعد نماز مغرب حضرت مولانا نے یہ پراثر دینی، دعوتی، علمی، فکری اور اصلاحی تقریر فرمائی تھی۔

بعد خطبہ مسنونہ

فاعوذباللہ من الشیطان الرجیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ولقد نصرکم اللہ ببدرٍ وانتم اذلّۃ، فاتقوا اللہ لعلکم تشکرون (آلِ عمران۔۔ ۱۲۳)

ترجمہ:۔ اور یہ بات محقق ہے کہ حق تعالیٰ نے تم کو بدر میں منصور فرمایا حالانکہ تم بے سرو سامان تھے سو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو تاکہ تم شکر گزار ہو۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ اے مسلمانو! اللہ تعالیٰ نے تم کو بدر میں فتح عطا فرمائی اس حالت میں کہ تم بہت بے یارومددگار تھے اور بہت خطرے میں تھے تو اللہ سے ڈرو تاکہ تم شکر گزار بندے بنو، ہمارے بہت سے ذی علم حضرات کو اور مسند نشینوں کو بھی، اہل علم کو بھی اور جو قرآن مجید کی آیات کا ترجمہ سمجھتے ہیں ان کو تعجب ہوگا کہ اس عظیم الشان تبلیغی اجتماع میں جس کا موضوع تبلیغ ودعوت ہے یہ آیت کس مناسبت سے پڑھی گئی؟ کیا کچھ غزوات کا تذکرہ ہونے والا ہے؟ کچھ غزوۂ بدر پر روشنی ڈالی جانے والی ہے کیا تاریخ کا کوئی ورق کھولا جانے والا ہے کوئی باب کھولا جانے والا ہے لیکن اس آیت کا تبلیغ ودعوت سے بھی اور ہم مسلمانوں کی زندگی سے بھی اور ہم مسلمانوں کی کامیابیوں سے اور اسلام کے آج دنیا میں موجود ہونے سے بھی بڑا گہرا تعلق ہے اگر میں یہ کہوں کہ آپ کے سامنے ایک تاریخ کے طالب علم کی حیثیت سے، ایک نظر رکھنے والے انسان کی حیثیت سے، کہ اس وقت دنیا میں جو مشرقی ممالک ہیں ان میں مسلمانوں کی آبادی بھی ہے۔ مسلمانوں کی سلطنت اور شان وشوکت بھی ہے اور دولت و ثروت بھی ہے اور پھر دعوت و عزیمت کا کام بھی ہے اور مدارس بھی ہیں، یہاں تک کہ میں

بلاتکلف بغیر کسی تواضع کے کہتا ہوں کہ یہ ندوۃ العلماء ایک عالمی درسگاہ ہے جس کی شہرت تمام دنیا میں ہے اس کا وجود اور یہاں کا جو کتب خانہ ہے جس میں ہزاروں سے متجاوز کتابیں ہیں اور مشرق سے لے کر مغرب تک جتنے کتب خانے ہیں اور پوری تاریخ اور انسانی تاریخ میں، پوری تاریخ عالم میں مسلمانوں نے جو کچھ کارنامہ انجام دیا ہے اور انھوں نے علم کے دریا بہائے اور انھوں نے کتابوں کے انبار لگائے، تحقیقات کی اور پھر دنیا میں جو خدا کی عبادت ہورہی ہے اور عقیدۂ توحید موجود ہے اور یہ مساجد جو آپ کو نظر آرہی ہیں، یہ سب غزوۂ بدر کی فتح کا نتیجہ ہیں اور خالص غزوۂ بدر کی فتح کا نتیجہ ہے۔ میں آپ سے اگر یہ کہوں کہ ابھی آپ نے جو مغرب کی نماز پڑھی ہے یہ بھی غزوۂ بدر کی برکتوں میں سے ایک برکت ہے اور آپ جو آزادی سے نماز پڑھ لیتے ہیں روزہ رکھتے ہیں، حج کرنے کے لئے بیت اللہ شریف کو بھی جاتے ہیں اور پھر تعلیم کا سلسلہ بھی جاری ہے۔ اور تبلیغ کا یہ عالمی نظام اور یہ عظیم الشان مظاہرہ اور یہ اس کا منظر جو آپ کے سامنے ہے یہ سب غزوۂ بدر کی فتح کا نتیجہ ہے۔

غزوۂ بدر کے وقت مسلمانوں کی حالت

کیا صورت تھی کہ کل تین سو تیرہ (۳۱۳) مسلمان تھے جو مدینہ طیبہ سے نکلے تھے اللہ کے راستے میں جہاد کرنے کے لئے اور مدینہ طیبہ کی حفاظت کے لئے اور دین کی حفاظت وبقاء کے لئے اور ادھر ایک ہزار مسلح کفار قریش آئے تھے جو دانت پیس رہے تھے بیقرار تھے کہ اس خطرہ کا سدّ باب کردیا جائے اور اسلام کے وجود کو فنا کردیا جائے اور وہ بہترین طریقے پر مسلح تھے ایک طرف قریش کا جنگجو قبیلہ تھا اور اس کے پاس تمام اسلحہ اور سامانِ جنگ تھا اور ادھر مسلمان جن کے گھروں میں فاقے ہوتے تھے اور ان میں کئی بچے بھی شامل ہو گئے تھے، وہ سب جہاد کے شوق میں تھے تو جہاں تک تعلق ہے اسباب و نتائج کا، اور ذرائع کا اور بصیرت کا اور حالات کے جائزہ لینے کا اور عقل سلیم کا، اور گزشتہ واقعات سے نتیجہ نکالنے اور ریاضی کا بھی جو سب سے عام فن ہے اور ہر ایک کو ان میں کچھ نہ کچھ دخل ہے کہ وہ ایک ہزار اور تین سو تیرہ (۳۱۳) کا فرق سمجھتا ہے کہ جاہل سے بھی کہہ دیجئے تو وہ سمجھ جائے گا کہ کہاں ایک ہزار اور کہاں تین سو تیرہ، تو اگر یہ جو اللہ تعالیٰ نے اسباب میں خاصیت پیدا کی ہے اور اسباب کو آزاد بھی چھوڑ دیا ہے کہ وہ اپنا عمل کرتے ہیں جب تک خدا کا ارادہ ہوتا ہے، خدا کی مشیت ہوتی ہے، تو اگر اسباب پر اور

اسباب و نتائج پر ہر بات کا انحصار ہوتا اور اس کا فیصلہ ہوتا تو انجام بالکل معلوم ہے کہ وہ ایک ہزار تین سو تیرہ پر غالب آجاتے اور یہ تین سو تیرہ ختم ہوجاتے، اللہ تعالیٰ معاف فرمائے اور اللہ تعالیٰ ان الفاظ کے کہنے پر کوئی مواخذہ نہ فرمائے خدانخواستہ تین سو تیرہ ختم ہوجاتے تو پھر اس کے باقی رہنے بڑھنے اور فتح حاصل کرنے کا کیا ذکر ہے۔ اسلام کے باقی رہنے کا بھی کوئی سوال نہیں تھا۔ اب جو بات میں آپ سے کہنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ بات صرف اتنی ہی نہیں ہے کہ تین سو تیرہ نے ایک ہزار پر فتح پائی تھی ایک تاریخی واقع ہے اور سنا یا گیا ہے ایک ایسے مجمع میں کیوں تین سو تیرہ کو خلاف قیاس، خلاف عقل، خلاف تجربہ، خلاف اندازہ، اور عقل سلیم کے خلاف تین سو تیرہ کو ایک ہزار پر فتح حاصل ہوئی ؟ یہ بات یاد رکھنے کی ہے اور یہ ایک سبق ہے یہاں سے اپنے ساتھ لے جانے کا، کہ کیسے تین سو تیرہ کو ایک ہزار پر فتح ہوئی، کیا تین سو تیرہ کو اس لئے فتح ہوئی کہ وہ زیادہ مضبوط تھے اور زیادہ مسلح تھے یا زیادہ ان کے اندر جوش تھا اگر یہ بات ہوتی تو اس کا سب سے زیادہ اندازہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تھا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اضطراری کیفیت

پھر آپ پر اضطراری کیفیت طاری ہوئی ایک الحاح کی، تضرع کی، اور دعا و انابت کی کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بھی نہ دیکھا جاسکے۔ آپؐ نے نماز پڑھنی شروع کی اور اس طرح گریہ وزاری کے ساتھ دعا کرنی شروع کی اور آپ پر اتنی الحاح کی کیفیت طاری ہوئی کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سمجھ رہے تھے کہ میں کس سے بات کررہا ہوں نبی المرسل سے، اللہ تبارک وتعالیٰ کے براہ راست اس کے پاس پیغام آتے ہیں جن کو سب سے زیادہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی نصرت پر یقین ہے اور جو اللہ تبارک وتعالیٰ کو ہر چیز پر قادر مانتا ہے وہ تابع نہیں ہے، اسباب ونتائج کا قلت وکثرت کا، تعداد کا اسلحہ کی کمی زیادتی کا، بالکل پابند نہیں ہے لیکن ان سے دیکھا نہیں گیا۔ اضطراری کیفیت ان پر بھی طاری ہوگئی انھوں نے کہا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ فضل فرمائے گا۔ اس پر آپ پریشان نہ ہوں اور تسلی کے الفاظ فرمائے۔

صادق المصدوق صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک الہامی جملہ

اس کے بعد اب جو بات آپ کو سنانا ہے وہ ہم چاہتے ہیں کہ آپ اپنے

ساتھ لے کر جائیے، وہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے اس وقت ایک جملہ نکلا، سیرت کے پڑھنے والے، کتابوں کے دیکھنے والے اکثر گزر جاتے ہیں ان چیزوں سے اور وہاں غور نہیں کرتے، ایسا نہیں کہ چونک کر کھڑے ہوجائیں اور ہم پر ایک استغراقی کیفیت طاری ہوجائے اور ہم ڈوب جائیں غور وفکر میں، ابھی آپ سے پوچھا جائے جو لوگ راستوں سے گزرتے ہیں بھائی آپ جب وہاں سے آتے ہیں تو دائیں طرف ایک سائن بورڈ پڑتا ہے کیا لکھا ہے تو آپ کہیئے گا کہ بھئی ہم نے تو خیال ہی نہیں کیا کیوں کہ روز گزرنا ہوتا ہے دن میں کئی کئی بار ہم غور سے دیکھتے بھی نہیں اور کام بھی نہیں، اس لئے بہت سے لوگ جو سیرت کی کتابیں پڑھتے ہیں اس سے گزر جاتے ہیں بہت کم لوگوں نے اس پر غور کیا ہوگا کہ یہ کیسی ایک چونکا دینے والی اور بیدار کردینے والی اور عبرت لینے والی اور عبرت حاصل کرنے کی صلاحیت پیدا کرنے والی چیزیں ہیں وہ ایسی چیز ہے کہ آدمی سب بھول جائے اور اس پر ہر ایک بالکل ششدر اور حیران رہ کر کھڑا ہوجائے کہ کیا کہا جارہا ہے، کیا فرماتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پورا جائزہ لیا کیا تناسب ہے طاقت میں، کیا تناسب ہے اسلحہ میں، کیا تناسب ہے تعداد میں اور قریش کی حالت جو ہے غضبناکی کی، اور ایک جذبۂ انتقام کی، اور مسلمانوں کی، جو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھتے ہیں اور جو اللہ ہی کی مدد کو سمجھتے ہیں کہ اس کی مدد کام آنے والی

ہے دونوں میں کیا فرق ہے مادی طور پر، اور میدان جنگ میں جو چیزیں اہمیت رکھتی ہیں ان کے لحاظ سے آپ کی زبان سے یہ جملہ نکلا جو قیامت تک غور کرنے کے قابل اور غور کرنے کا مستحق ہے اور عبرت لینے کا مستحق ہے اور اصولِ عمل بنا لینے کا مستحق ہے،

اللھمّ ان تھلک ھذہ العصابہ لا تعبد

آپ فرماتے ہیں کہ اے اللہ اگر تو نے اس مٹھی بھر جماعت کو ہلاک کردیا، ان ایک ہزار کے مقابلے میں کہ وہ ایک ہزار ہیں اور زیادہ مسلح ہیں اور یہ مٹھی بھر جماعت، جو پورے طور پر مسلح بھی نہیں ہیں تو اور کچھ ہو نہ ہو آپ کی عبادت اس دنیا میں نہیں ہوگی تو یہ ایک نبی ہی کہہ سکتا ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ کا محبوب بھی ہے اور مقرب ترین انسان بھی اور ملہم من اللہ ہے۔ بڑی بات یہ ہے کہ

مایںطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحی

اور نہیں بولتے اپنے نفس کی خواہش سے یہ تو حکم ہے بھیجا ہوا (سورہ النجم آیت ۔۔۲)

ملہم من اللہ ہے اور دنیا میں کوئی آدمی نہیں کہہ سکتا تھا نہ اولیاء اللہ

میں سے نہ قائدین جنگ میں سے اور نہ بڑے بڑے مفسروں اور فراست رکھنے والوں میں سے کوئی یہ بات کہہ سکتا تھا اور پھر کس سے یہ بات کہی جارہی ہے خدائے غنی لم یزل و لا یزال سے جو کسی چیز کا محتاج نہیں ہے اس کو کسی چیز سے ڈرایا نہیں جاسکتا لیکن یہ آپ ہی کی شان تھی کہ آپ نے یہ فرمایا، اور آپ نے فرمایا کیا بلکہ اللہ نے کہلوایا سچ بات یہ ہے کہ وماینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی، اور اس لئے آپ کی زبان سے کہلوایا تاکہ قیامت تک مسلمانوں کو یاد رہے کہ کیا بات کہی گئی تھی اور کس بناء پر، یہ بالکل خارق العادت طریقے پر معجزانہ طریقے، پر محیر العقول طریقے پر ششدر وحیران بنادینے والے طریقے پر، آدمی دانتوں میں انگلی رکھ کر سوچتا ہی رہے اور سر جھکا کر کے اور سسکیاں لے کر کے اور اس پر ایک استغراق کی کیفیت طاری ہوجائے بلکہ بعض لوگ اگر اس میں بے ہوش ہوجائیں سوچنے میں تو کوئی تعجب کی بات نہیں، لیکن ہم لوگ غور کرنے کے عادی نہیں گزر جاتے ہیں ان چیزوں سے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے اللہ اگر تو نے اس مٹھی بھر جماعت کو ہلاک کردیا تو پھر سب کچھ ہوگا دنیا کا کارخانہ ویسا ہی رہے گا۔ وہی دنیا میں رونق ہوگی فتوحات ہوں گی، سلطنتیں ہوں گی، دولت کے دریا بہیں گے اور علم کے بھی دریا بہیں گے لیکن ایک کام نہیں ہوگا وہ یہ کہ تیری یعنی ایک خدائے واحد کی عبادت نہ ہوگی اب اس کے بعد کیا ہو، سوچنے کی

بات یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے بالکل خارق العادت طریقے پر محیر العقول اور بالکل معجزانہ طریقے پر یعنی صرف اس میں خدا کی طاقت ہی نظر آتی ہے ، ارادۂ الٰہی معلوم ہوتا ہے اور کچھ نہیں ، اور قدرت الٰہی کا جلوہ ہے ، اور قدرت الٰہی کی ایک شان ہے اور کچھ نہیں ، اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس فقرہ کے بعد ان تین سو تیرہ کو ان ایک ہزار پر فتح مبین عطا فرمائی

ولقد نصرکم اللہ ببدر وانتم اذلۃ فاتقو اللہ لعلکم تشکرون

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے : اور اللہ تعالیٰ نے تم کو فتح دی ، بدر کے میدان میں اس حالت میں کہ تم بے بس تھے اور بالکل اس وقت مغلوب تھے تو اللہ سے ڈرو تاکہ شکر گزار بندے بنو تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اس امت کو اسباب کے خلاف ، نتائج کے خلاف ، تجربوں کے خلاف اور حقائق کے خلاف اور ہر طرح کی پیشین گوئیوں اور اندازوں کے خلاف جو فتح دی ہے ان تین سو تیرہ کو ایک ہزار پر ، وہ اس بنا پر کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ بات قبول کرلی اور اس کی تصدیق فرمائی کہ یہ تین سو تیرہ کی جو تعداد ہے ان کی وجہ سے دنیا میں عبادت کا سلسلہ چلے گا اور ان تین سو تیرہ کی فتح سے امت کو جو امن وامان حاصل ہوگا ، اطمینان حاصل ہوگا اور ان کے جانشینوں کے ذریعے یہ سلسلہ قیامت تک چلے گا ، اس کی وجہ سے عبادت الٰہی دنیا میں قائم رہے گی۔

غزوۂ بدر کی فتح کی حکمت و مقصد

تو آپ جانتے ہیں کہ جب کسی چیز پر کسی شرط پر، کسی صفت پر، کسی امتیاز کے بیان کرنے پر بڑا نتیجہ نکلے اور اس پر بالکل خارق العادات طریقے پر کوئی اس کا انجام ہو اور اس میں اللہ تعالیٰ فتح دے خلاف قیاس، پھر تو اس شرط کو قائم رکھنا ضروری ہوجاتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اس امت کے دنیا میں باقی رہنے کا اور اس امت کا دنیا میں آزادی کے ساتھ اللہ کی عبادت کرنے کا، عبادت کی دعوت دینے کا اور دنیا میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا قانون پھیلانے اور اس کو غالب کرنے کا اور پھر اس دنیا میں اس کو فتوحات حاصل کرنے کا اور سلطنتیں قائم کرنے کا اور اس دنیا میں اس کو علم کے دریا بہادینے کا اور معرفت الٰہی کے دروازے کھول دینے کا اور اس دنیا میں اس امت کو بہت طویل عرصہ تک اور کثیر حصہ میں دنیا کے، اس امت کو آزادی کے ساتھ، عزت کے ساتھ اور وقار کے ساتھ عظمت کے ساتھ رہنے کا موقع ملے گا۔ ان سب کی شرط یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی خود عبادت کریں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کے احکام پر عمل کریں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کے قانون پر اللہ تبارک وتعالیٰ کی شریعت پر اور دوسروں کو بھی حکم دیں اور یہ آپ سمجھ لیں کہ عبادت کے معنی صرف نماز روزہ کے نہیں

عبادت میں عقائد بھی داخل ہیں، معاملات بھی داخل ہیں، اخلاق بھی داخل ہیں آئین وقانون بھی داخل ہیں ازدواجی زندگی کے جو طریقے خدا نے بتائے ہیں اور اس کے رسولؐ نے بتائے ہیں قرآن وحدیث میں، وہ بھی داخل ہیں اور لوگوں کے ساتھ معاملہ کرنا بھی داخل ہے اور اس میں تجارت بھی داخل ہے اس میں جتنے معیشت کے اسباب ہیں، کسب معاش کے جتنے اسباب ہیں سب داخل ہیں ان سب پر یہ امت عمل کرے گی۔ اللہ تعالیٰ کی پوری شریعت پر، پوری نازل کی ہوئی شریعت پر یہ امت عمل کرے گی اس میں اس بات کو قبول کرنے پر اور اس کی تصدیق کرنے پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان تین سو تیرہ کو ایک ہزار پر فتح دی، تو اب اگر یہ سب کچھ کرنے لگے! میں اب صاف کہتا ہوں کہ مسلمان اگر تارے توڑے آسمان کے اور فضاؤں پر ان کا قبضہ ہوجائے جیسے یورپ کا قبضہ ہے اور آپ مشرق سے مغرب تک جائیں اور منٹوں اور سکنڈوں میں بھی پہنچ جائیں اور آپ سائنسی تحقیقات میں ایک ریکارڈ قائم کردیں اور آپ علم کے دریا بہائیں اور کتب خانوں سے شہر کے شہر آپ بھردیں اور آپ کے اندر اعلیٰ درجہ کی ذہانت اور اعلیٰ درجہ کی نکتہ آفرینی ہو اعلیٰ درجہ کی ادبی صلاحیت ہو یا جسمانی حسن وجمال، اور قوت کمال، ہر چیز میں آپ فائق ہوں ان میں سے کوئی چیز امت کی بقاء کی ضمانت نہیں۔

اس امت کی بقاء کی ضمانت

اس امت کے بقاء کی ضمانت صرف یہ ہے کہ یہ امت وہ ہے جس کی وجہ سے عبادت کا رواج رہے گا۔ یہ امت خود تیری عبادت کرے گی اور تیرے احکام پر چلے گی اور دنیا کو ان احکام کی طرف بلائے گی دعوت دے گی۔ تو آپ سمجھ لیجیے کہ جب کسی شرط پر، کسی بات پر، کسی پیشین گوئی پر کوئی نتیجہ ظاہر ہوتا ہے پھر کیسا نتیجہ اور اس نتیجہ کا ذریعہ کون ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ فتح دینے والے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی فتح چاہنے والے، نصرت چاہنے والے اور اس کے درمیان ایک شرط، ایک صفت حضورؐ نے بیان کی جس سے بڑھ کر خدا کے جلال اور کمال سے کوئی خائف اور کوئی اس پر ایمان رکھنے والا نہیں ہوسکتا، آپ سے بڑھ کر ادب شناس نہیں ہوسکتا، آپ سے بڑھ کر کوئی اللہ تعالیٰ کے جلال سے اور اللہ تعالیٰ کی شان استغناء سے کوئی واقف نہیں ہوسکتا لیکن ان سب کے باوجود میں سمجھتا ہوں کہ یہ کلمہ آپ کی زبان سے نہیں نکلا بلکہ یہ کلمہ بھی الہامی تھا۔ اللہ نے آپ کی زبان سے کہلوایا اور اس پر فتح دی تاکہ قیامت تک کے لیے یہ باب بالکل ایک طے شدہ اصول بن جائے کہ مسلمانوں کا بقاء، مسلمانوں کی زندگی مسلمانوں کی عزت، مسلمانوں کا آزادی کے ساتھ اپنے اصول پر عمل کرسکنا اور

عمل کی دعوت دینا اور دعوت و تبلیغ کا سلسلہ یہاں تک کہ میں صاف کہتا ہوں
کہ خلافت راشدہ سے لے کر خلافت بنی امیہ تک، خلافت بنی امیہ سے لے کر
خلافت بنی عباس تک اور اس کے بعد کی سلطنتوں تک اور اس کے بعد پھر یہ پوری
ساسانی سلطنت ایران کی، اس کا فتح ہونا اور ادھر رومی سلطنت بازنطینی سلطنت
کا فتح ہونا یہ بالکل ناقابل قیاس بات تھی کہ کوئی اتنی بڑی رومی سلطنت کو شکست
دے سکتا ہے، ادھر ایران کی سلطنت کا یہ حال تھا کہ ہندوستان کی سرحدوں تک
پہنچی ہوئی تھی سارا ایران، سارا عراق اس کے ماتحت تھا یہ ساری ناقابل قیاس
باتیں اور ناممکن عمل باتیں اور ناقابل تصدیق باتیں صرف اس وجہ سے ظہور میں
آئیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ تسلیم کرلیا اور اس بات کی تصدیق فرمائی اور قبول
فرمالیا کہ اس امت کے ذریعہ دنیا میں عبادت کا سلسلہ جاری رہے گا اور امت خود
عبادت کرے گی اور دوسروں کو عبادت کی دعوت دے گی۔ تو جو کچھ مسلمانوں کو
ملا آج صاف میں کہتا ہوں کہ ابھی آپ نے جو مغرب کی نماز پڑھی یہ فتح بدر کا نتیجہ
اور برکت ہے، یہ ابھی اتنے مسلمان جمع ہوگئے ایک دعوت پر، اور ایک تبلیغ کے
اجلاس پر، تبلیغی دعوت پر، یہ سب اس سے بڑھ کر کیا، یہاں سے لے کر ہر سال جو
حج ہوتا ہے، لاکھوں مسلمان جمع ہوتے ہیں، منیٰ وعرفات میں اور یہ طواف اور پھر
صفاو مروہ کی سعی یہ ساری کی ساری چیزیں، جو کچھ ہے، جو مسلمان جہاں بھی ہے بلکہ

جو مسلمان اطمینان سے کھانا کھا لیتا ہے آج آپ سے میں صفائی سے کہتا ہوں کہ میں نے اور آپ نے جو آج کھانا کھایا ہے دوپہر کا، اور ان شاء اللہ جو آج کھائیں گے اور جو اس وقت چاروں وقت کی نماز پڑھی ہے اور ان شاء اللہ پانچویں نماز پڑھیں گے، فتح بدر کا نتیجہ ہے، سب فتح بدر کی برکت سے آپ کو ملا ہے ورنہ کوئی صورت نہیں تھی۔

اسلام کا اعجاز

اور کتنے ادیان ہیں جن کو آپ دیکھیے اگر آپ تاریخ پڑھیں کے تو آپ کو معلوم ہو گا کہ کوئی مذہب سو برس رہا، کوئی پچاس برس رہا اور کوئی اس سے بھی کم رہا، یا محرف ہو گیا۔ یہ دین جو آج تک باقی ہے صرف یہ نہیں کہ باقی ہے اور کوئی ردو بدل نہیں ہوا، اور اپنی اصل شکل میں باقی ہے، اپنی خصوصیات کے ساتھ باقی ہے، اپنے عقائد کے ساتھ باقی ہے، اپنے فرائض و عبادات کے ساتھ باقی ہے، ذکر اللہ کے ساتھ باقی ہے، صلوٰۃ علی النبی کے ساتھ باقی ہے، اللہ کی اطاعت اور فرماں برداری اور اس کے ساتھ محبت اور رشتہ رسولؐ کے ساتھ باقی ہے، اور یہ حق کی حمایت کے جذبہ کے ساتھ باقی ہے اور باطل کا مقابلہ کرنے کے جوش کے ساتھ

باقی ہے اور یہ امت معروف کو معروف سمجھتی ہے اور منکر کو منکر سمجھتی ہے اور نفس و شیطان اور الہی فرمان کے فرق کو سمجھتی ہے کہ اس دنیا میں کہیں اس کا وجود نہیں ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ کی کتاب قرآن مجید کا یہ معجزہ ہے کہ سورہ فاتحہ کو جو سب سے زیادہ پڑھی جانے والی سورۃ ہے اس سورۃ کے آخر میں آتا ہے :۔

"اهدنا الصرط المستقيم ، صراط الذين انعمت عليهم غير المغضوب عليهم و لا الضالين "۔

اب مسلمانوں کے بعد جو مذاہب رہ جاتے ہیں، جہاں تک آسمانی مذاہب کا تعلق ہے تو دو سب سے بڑے مذہب ہیں جو اس وقت تک دنیا میں باقی ہیں، ایک یہودیت اور ایک عیسائیت، اور ایک کے بارے میں فرمایا: المغضوب عليهم اور دوسرے کے بارے میں فرمایا ہے الضالين ۔ صرف اس امت کو سیدھی راہ حاصل ہے اور کیوں حاصل ہے اس لئے حاصل ہے کہ بدر کی فتح ہوئی ، بدر میں یہ سب حضرات فتح یاب ہو کر اور ان میں سے اکثر صحیح وسالم مدینہ تک پہنچ سکے اور وہاں جا کر انھوں نے یہ الفاظ دہرائے :

" الا تفعلوه تكن فتنة فى الارض و فساد كبير" (سورۃ الانفال)

اس چھوٹی اقلیت سے جو بقامت کہتر بقیمت بہتر تھی آپ خیال تو کیجئے کہ کس سے کہا جارہا ہے " الا تفعلوه تكن فتنة فى الارض و فساد كبير " اے مسلمانو

اور مٹھی بھر مسلمانو! اے مکہ معظمہ سے آئے ہوئے مہاجرو! اور جنھوں نے اسلام قبول کیا ہے، فتح خیبر کے انصاریو! اگر تم لوگ دنیا میں کفر وشرک کا مقابلہ کرنے کے لئے اور دنیا سے ضلالت مٹانے کے لئے، دنیا میں ہدایت پھیلانے کے لئے دنیا والوں کا سر اللہ کے سامنے جھکانے کے لئے دنیا کو سچائی اور اخلاق حسنہ پر عمل کرانے کے لئے اور نفس پرستی اور شہوانیت اور شیطانیت، ان سب سے بچانے کے لئے اگر تم نہ کھڑے ہوئے اور اگر اس کے لئے تم نے کمر نہ باندھی

" تکن فتنة فی الارض و فساد کبیر" تو دنیا میں ایک فساد عظیم برپا ہوگا، میں نے مکہ معظمہ میں عربوں کو خطاب کرتے ہوئے کہا کہ آپ بقامت کہتر بقیمت بہتر ہیں آپ ہی کے اسلاف تھے جو مٹھی بھر تھے ان کی تعداد کم تھی بخاری شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ تین مرتبہ مسلمانوں کی مردم شماری ہوئی تو کسی میں چند سو نکلے اور اخیر میں شاید دو ڈھائی ہزار یا اس کچھ کم و بیش۔ اتنی چھوٹی تعداد تھی لیکن یہ بقامت کہتر بقیمت بہتر تھے یعنی قد وقامت کے لحاظ سے، اپنی تعداد کے لحاظ سے مٹھی بھر تھے لیکن اپنے مقصد کے لحاظ سے، اپنی افادیت کے لحاظ سے، اپنی دعوت کے لحاظ سے اپنے اعمال کے لحاظ سے وہ بقیمت بہتر تھے، تو آپ بھی یہ سمجھ لیجیے کہ آج بھی دنیا میں بقامت کہتر بقیمت بہتر ہیں لیکن بقیمت بہتر کہاں سے یہ صفت پیدا ہوگی اسلام پر عمل کرنے سے۔

عبادت کا مفہوم

عبادت وسیع معنیٰ میں جس کو عربی میں اور قرآن اور حدیث کی اصطلاح میں عبادت کہتے ہیں، ہمارے یہاں عبادت کس کو کہتے ہیں؟ ذرا سی دعا مانگ لی اور نماز پڑھ لی ایک دو رکعت، بھئی ہم نے عبادت کی، عربی میں عبادت کا مفہوم بہت وسیع ہے اس میں سارے احکام الٰہی آجاتے ہیں اور جیسے میں کہا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

" اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم ۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
۔ یاایھا الذین آمنوا ادخلوا فی السلم کآفۃ ولا تتبعوا خطوات الشیطان۔"

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کے ساتھ صلح اور اطاعت پر پورے کے پورے داخل ہوجاؤ۔

یعنی سو فیصدی مسلمان ہوجاؤ، سو فیصدی اسلام میں داخل ہوجاؤ، اس میں پچاس فیصدی، ساٹھ (۶۰) فیصدی کی کوئی تقسیم نہیں۔ نہ مسلمانوں میں اس کی گنجائش ہے اور نہ اس کی اجازت، نہ اس کا کوئی جواز ہے، مسلمان ساٹھ فیصدی پچاس فیصدی دین پر چل رہے ہیں۔ نہیں! یہ بالکل کافی نہیں ہے ادخلوا فی

السلم کآفۃ پورے کے پورے سوفیصدی داخل ہو جاؤ پھر یہی نہیں جس پر داخل ہورہے ہیں اور جس نظام اطاعت کو قبول کررہے ہیں اور جس آئین خداوندی کو قبول کررہے ہیں اور جس دین میں داخل ہورہے ہیں اس کے سوفیصدی حصہ میں داخل ہو، یہ نہیں کہ مسجد میں پاؤں تو رکھ دیئے اور جسم باہر تو آج میں آپ سے یہ کہوں گا اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اور اس ڈر سے کہ کہیں خدا کے یہاں بازپرس نہ ہو کہ تمہیں ایک ایسا موقع ملا تھا اپنے اتنے بھائیوں سے بات کرنے کا اور وہ توجہ سے سن رہے تھے، ان مخلصین کی برکت سے جنھوں نے اس پر پہلے سے تقریریں کیں اور جنھوں نے اس جلسہ کو بلایا، ان سے کہ دین کو پورے عقائد کے ساتھ، فرائض وعبادات کے ساتھ اور اس کے ساتھ ساتھ اپنے معاشرے کے ساتھ پورے اسلامی معاشرے کے ساتھ اس کے اصول کے ساتھ، اس کی سادگی کے ساتھ اور اس کی پابندیوں کے ساتھ اور اس پر جو حقوق ہیں جنہیں ان حقوق کی ادائیگی کے ساتھ قبول کرنا ضروری ہے یہ نہیں کہ فرائض پنجگانہ کے تو آپ قائل بھی ہیں اور عامل بھی ہیں اور پانچ وقت کی نماز بھی پڑھتے ہیں لیکن شادی میں نہ بولئے یہ شادی جو ہے، شادی کا معاملہ یہ تو ایک ذاتی معاملہ ہے، خاندانی معاملہ ہے، اس میں تو پہلے حیثیت عرفی دیکھی جاتی ہے کہ کیا اس کی (social position) سماجی پوزیشن ہے فرض کیجیے کہ کسی نے لاکھ روپیہ خرچ کر دیا تو اس کا دین سے کیا تعلق یہ تو

عرف کی چیز ہے، عرف کے معنیٰ فقہ کی اصطلاح اور اصول فقہ کی اصطلاح میں لغت میں بھی بہت وسیع معنیٰ ہیں یہ تو عرفی چیز ہے، یہ تو جس ملک میں ہم رہتے ہیں اور جس آب وہوا میں رہتے ہیں اور جس ماحول میں رہتے ہیں، یہ اس کا خیال کرتے ہوئے اور اس کا احترام کرتے ہوئے اور اس کو ایک ضرورت سمجھتے ہوئے ہم کرتے ہیں، ان چیزوں میں آپ دین کا اجراء کرنے لگتے ہیں۔ یہ شادی ہے بھئی اس میں آدمی کو آزاد چھوڑ دیجیے۔

ہر جگہ مانگا جاتا ہے اور مطالبہ کیا جاتا ہے، جہیز کا، مسلمان بھی اگر مانگے تو اس میں کیا حرج ہے یہ تو ایک بالکل خاندانی چیز ہے اور عرفی چیز ہے اور ماحول کی چیز ہے، نہیں اس کی اجازت نہیں دی جاسکتی، عقائد سے لے کر اخلاق ومعاملات اور معاشرت اور باہمی تعلقات تک اور تجارت وزراعت تک سب میں اللہ کے احکام کی پیروی کرنا ضروری ہے اور یہ امت جو چھوڑی گئی ہے کہ جب اللہ کے رسولؐ نے فرمایا ''اللھم ان تھلک ھذہ العصابة لاتعبد'' میں نے سیرت کی بعض کتابوں میں دیکھا ''لاتعبد ابداً'' تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور پھر اللہ کے جلال سے اللہ تبارک وتعالیٰ کی شان استغناء سے، اللہ کی عظمت سے، آپ سے زیادہ دن واقف ہوسکتا ہے لیکن آپ کی زبان سے یہ الفاظ نکلے، آپ دیکھیے کہ یہ الفاظ جو نسان کو ششدر بنادینے والے اس کے قیاس وقوت قیاسیات کو بالکل ماؤف

کر دینے والے الفاظ ہیں، اگر یہ صحیح سیرت کی کتابوں میں نہ آتے اور حدیث کی کتابوں میں نہ آتے تو کوئی ہمت نہیں کر سکتا تھا کہ اس کو اس طرح بیان کر سکتا بس میں یہ کہنا چاہوں کہ اس امت کو اس بناء پر وقت دیا گیا ہے اور اس کو زندگی کی مہلت دی گئی ہے، اس کو سب سہولتیں دی گئی ہیں اور اسی کے لئے نصرت الٰہی آسمان سے بار بار آئی ہے اور آج بھی اللہ تعالیٰ حفاظت فرما رہا ہے اس امت کی، باوجود اس کے کہ آپ کو معلوم نہیں کہ اسرائیل امریکہ کے اتحاد سے ایسا منصوبہ تیار ہے جو بالکل نسل کشی کیا، ہر اسلامی ملک کو اسپین بنا دینا اور مسلمانوں کے دلوں سے دین کی حمیت کیا، حمیت تو بڑی چیز ہے، دین کی محبت کو نکال دینا اور دین پر فخر کرنے کے جذبہ کو نکال دینا چاہتا ہے جس کے لئے سب پلان بنا ہوا ہے آبادی کو کنٹرول کرنے اور خواتین کی فلاح و بہبود کے مسائل کو بہانہ بنا کر پوری انسانیت کے خلاف سازش کی جارہی ہے، اس وقت بھی یہ امت جو موجود ہے اور ان شاء اللہ موجود رہے گی، قیامت تک موجود رہے گی، یہ اس بناء پر کہ اللہ نے اس بات کو تسلیم کرلیا اپنے رسول کی زبان سے جو لفظ نکلا تھا، لاتعبد کہ اس امت کو آپ نے فنا کردیا، اس دنیا سے اس کا نام ونشان مٹ گیا اور ان ایک ہزار کو ان تین سو تیرہ پر جو اس دنیا میں ہمیشہ ہوتا رہا ہے اور عقل بھی، تجربہ بھی اور قیاس بھی اور ریاضی بھی اور فن حرب اور فن جنگ سب کا تقاضا یہی ہے کہ یہی نتیجہ نکلے لیکن

اس کے بالکل برخلاف اگر اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان تین سو تیرہ کو ایک ہزار پر فتح ہوئی تو یہ اس بناء پر کہ اللہ تعالیٰ نے اس بات کی تصدیق کی اور اس کو مان لیا کہ عبادت کا رشتہ اس امت سے بندھا ہوا ہے اس امت کے ساتھ عبادت کا رشتہ باندھ دیا گیا ہے، یہ خود عبادت کریں اور عبادت کی دعوت دیں، میں زیادہ وقت نہیں لونگا کہ بیمار و کمزور ہوں۔

امت مسلمہ کی ذمہ داری

تو میرے بھائیو ! میں آپ سے کہنا چاہتا ہوں کہ ہمارے اور آپ کی بقاء کی ہمارے اور آپ کے اس وقت جو ہم بیٹھے ہیں اس کو بھی میں کہتا ہوں اس مجمع کو بھی میں شامل کرتا ہوں، پرسوں جمعہ آئے گا جہاں جہاں جمعہ کی نمازیں ہوں گی پھر حج کا زمانہ بھی ان شاء اللہ آئے گا، ان شاء اللہ مسلمان حج کریں گے آج آپ دنیا میں بے سفر کرتے ہیں اور مسافتیں طے کرتے ہیں اور عہد لیتے ہیں، بہرحال آپ کو زندگی کی آزادی حاصل ہے یہ سب صدقہ ہے یہ سب طفیل ہے اس کا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے رسولؐ کی یہ بات تسلیم کرلی اور اس کو قبول کرلیا کہ عبادت الٰہی اس امت کے ساتھ وابستہ ہے آپ میں سے ہر ایک بادشاہ ہو جائے

ہر ایک قارون ہوجائے اپنے وقت کا، ہر ایک ہامان و فرعون ہوجائے معاذاللہ اور آپ سب کچھ بن جائیں آپ میں سے ہر ایک اسکالر بنیں، بڑے اسکالر بنیں، بڑے انجینیر بنیں بڑے سائنس داں بنیں، بڑے مکینک بنیں یہاں تک کہ آپ جمہورتیوں کے صدر ہوجائیں اور کہیں کے وزیر اعظم ہوجائیں، یہ آپ کے باقی رہنے، زندہ رہنے کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں بالکل کافی نہیں اور یہ کوئی استحقاق نہیں پیدا ہوتا آپ کے زندہ رہنے کا عزت سے رہنے کا اور اپنی نسل کو بڑھانے کا اور اپنے دین وفرائض کو ادا کرنے کا ان سب کا، آپ کو جو وقت ملا ہے یہ سب صدقہ ہے نتیجہ ہے اس کا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ بات تسلیم کرلی اور قبول فرمالیا اپنے نبی محبوب کو کہ یہ سب کچھ ہوگا، اے اللہ تیرے تمام کارخانے ویسے ہی رہیں گے مگر ایک عبادت کا کام صرف یہی امت کرنے والی ہے اب اس امت کی ذمہ داری کتنی بڑھ جاتی ہے بس تبلیغ ودعوت اصل میں یہ اسی کی یاددہانی ہے اور اسی کی تشریح ہے اور اسی متن کی تشریح ہے کہ اس امت کا سب سے پہلا فریضہ جس سے اس کو زندگی کا استحقاق پیدا ہوتا ہے کہ زندگی کا استحقاق ہی اس پر منحصر ہے کہ آپ اللہ کی عبادت خود کریں اور دوسروں کو دعوت دیں یہ میں کہتا ہوں آج یورپ امریکہ سب محتاج ہیں، آپ ان کو اللہ کی عبادت کی دعوت دیں۔

نفس کی غلامی سے خدائے واحد کی غلامی کی طرف

یہ سب لوگ دنیا کی تنگی میں ہیں، ان کے فیشن ان کے معبود بن گئے ہیں ان کی روایات (Kitesion, Eitision) ایٹیشن، ان کے معیار اسٹینڈرڈ یہ ساری چیزیں ان کے معبود بن گئے ہیں کہ بغیر اس کے یہ زندگی گزار ہی نہیں سکتے ان کو آپ بتائیں کہ آزادی کیا ہوتی ہے، حقیقی آزادی کیا ہوتی ہے، زندگی کا لطف کس چیز میں ہے یہ یورپ امریکہ چاہے کتنے بڑے سرمایہ دار ہوں، کتنی بڑی یہ فوجی طاقت رکھتے ہوں اور کتنی ترقی کی ہو علم وفن میں، تہذیب میں اور سائنس میں یہ سب کے سب اپنے نفس کے غلام ہیں، اپنے آلات کے غلام ہیں اور اپنے ہی قوانین اور اپنے ہی خود ساختہ قوانین کے یہ فیشن کیا، فیشن تو اپنا بنایا ہوا ہوتا ہے کہ اچھا صاحب کل سے یہ فیشن ہوگا۔ اور جو معمولات ہیں دن رات کے، ان کے ایسے غلام ہیں جیسے کوئی آزاد مرد کسی کا غلام ہوجائے، اب آپ کا اور ہمارا یہ فرض ہے دینی اسلامی، اور ایمانی فرض ہے، انسانی فرض ہے، اخلاقی فرض ہے کہ ہم ان کو بھی نیا کی تنگی سے اور دنیا کی کال کوٹھری سے ایسے غلاموں کو نکال کر دنیا کی وسعتوں یں لائیں اور دنیا کی کھلی فضاء کی ہوا کھلائیں اور ان کو بتائیں کہ آزادی کیا ہوتی ہے، اس امت کے باقی رہنے کے آج جو ہم اور آپ باقی ہیں گویا ہر ایک کے لئے

اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک پشتہ سا ہے کہ وہ اس امت کا فرد ہے جس کی وجہ سے دنیا میں عبادت ہو رہی ہے اور دنیا میں عبادت کی دعوت بھی دی جارہی ہے عبادت کی دعوت قیامت تک دی جاتی رہے گی بس اگر ہم زندگی چاہتے ہیں اور عزت چاہتے ہیں اور آخرت کی سرخ روئی چاہتے ہیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی نعمتیں چاہتے ہیں اور اپنے نبی کی خوشنودی اور مسرت چاہتے ہیں تو عبادت کو اپنے ساتھ اتنا مربوط کرلیں کہ ہم جہاں ہوں اللہ کے دین کے داعی ہوں خود عمل کرنے والے ہوں اور دوسروں کو عمل کرنے کی دعوت دینے والے ہوں اللہ تبارک تعالیٰ ہم کو اور آپ کو اور سب کو اس کی توفیق دے۔ (آمین)

(ماخوذ از "تعمیرِ حیات" ۲۵/ نومبر ۱۹۹۵ء)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆